نو سر باز

محی الدین نواب

شراب خانوں میں بھانت بھانت کے پینے والے آتے ہیں کچھ ایسے بادہ خوار ہوتے ہیں جو بوتل پر بوتل لنڈھاتے ہیں' پھر بھی پیاسے رہتے ہیں اور کچھ ایسے طفلِ مکتب ہوتے ہیں جو ایک ہی چلو میں اُلو ہو جاتے ہیں۔ بس ایسے ہی ایک اُلو نے اس اجنبی کو گالی دے دی۔ اجنبی بھی نشے میں تھا' غصے کا تیز بھی تھا۔ اس نے بے دھڑک گالی دینے والے کی ناک پر ایک مکا رسید کر دیا۔

شراب خانے میں یک بیک خاموشی چھا گئی۔ اجنبی اطمینان سے اپنے مکے کو سہلا رہا تھا اور سب لوگ اس گرنے والے شرابی کو دیکھ رہے تھے' جو فرش پر ذرا دیر تڑپ کر ساکت ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے بوتل کو پٹختے ہوئے اجنبی سے کہا۔

"کون ہو تم؟ کیا اس طرح کسی پر ہاتھ اٹھایا جاتا ہے؟"

اجنبی غراتے ہوئے اس کی طرف پلٹا کہنے والا سہم کر دو قدم پیچھے چلا گیا۔ اجنبی نے اپنی صفائی پیش کی۔

"اس نے مجھے گالی دی تھی!"

دُور شراب خانے کے کسی گوشے سے آواز آئی۔

"وہ تم سے دوستی کرنے آیا ہو گا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ شرابی اپنی دوستی کی ابتدا گالیوں سے کرتے ہیں!"

اسی اثنا میں کچھ لوگ گرنے والے کے پاس پہنچ گئے تھے ایک نے کہا۔

"اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔"

نے کہا۔

ن ہوگیا۔ اس نے بے
پہلے فرار کا راستہ تلاش
گے نہیں بڑھا تھا۔ سب
ہ دوچار کے بس کا نہیں

ازے سے نکلتا چلا گیا۔
وں سے اس طرح ہٹادیا
و۔ باہر فٹ پاتھ پر آنے
نے نہ پائے....."
تھا' کچھ شراب کی گرمی
سید کر رہے تھے۔ ایک
وگ بھاگتے چلے آرہے
ی گلی میں گھس کر بھاگنے
نجنے لگیں۔ سامنے سے
ی کی۔ پینترا بدل کر اس
یکن اجنبی بپھرے ہوئے
یں زور کی ٹکر ماری۔
رفتار سے بھاگتا چلا گیا۔
اپنے اسٹاپ سے آگے
آنے والے بدستور شور

مچا رہے تھے بس اپنی رفتار پکڑ چکی تھی۔ کنڈیکٹر نے پچھلی کھڑکی سے دور شور مچانے والوں کی طرف دیکھا اور پلٹ کر ڈرائیور کو آواز دی۔

"استاد گاڑی روک دو۔ کچھ گڑبڑ ہے....."

اجنبی نے جھلا کر ایک الٹا ہاتھ کنڈیکٹر کو رسید کیا۔ پھر اس کا انجام دیکھے بغیر رکتی ہوئی بس سے چھلانگ لگا کر فٹ پاتھ پر آگیا۔ اب پیچھا کرنے والوں سے سو گز کا فاصلہ بن گیا تھا۔ وہ ایک اور گلی میں گھس گیا۔ نہ جانے کتنی گلیاں تھیں' کتنی شاہراہیں تھیں۔ وہ اس شہر میں اجنبی تھا۔ وہاں کے راستے نہیں جانتا تھا۔ اس کی کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ فی الحال پیچھا کرنے والوں سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا۔

وہ پاگل ہاتھی کی طرح بے تکی دوڑ لگا رہا تھا۔ اس کے اندر شراب پانی ہوگئی تھی۔ اب تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ اگر کچھ دیر اسی طرح دوڑتا رہتا تو لڑکھڑا کر گر پڑتا۔ وہ چند چھوٹی چھوٹی گلیوں میں مڑتا رہا تاکہ پیچھا کرنے والوں کی نظروں سے بار بار اوجھل ہوتا رہے۔ ایک موڑ سے گزر کر اور ان کی نظروں سے اوجھل ہو کر وہ رک گیا۔ ایک بڑے سے مکان کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ فوراً ہی اس دروازے سے داخل ہوگیا۔ اندر ایک صحن تھا۔ ایک لڑکی اس کی جانب پشت کئے ایک کمرے کا دروازہ کھول رہی تھی۔ اس نے دوچار چھلانگیں لگاتے ہوئے صحن کو پار کیا۔ اس وقت تک دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ لڑکی کو ایک ہاتھ کی گرفت میں سمیٹتا ہوا دروازے کے پار کمرے کے اندر آیا۔ پھر اس نے دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"خبردار۔ شور نہ مچانا۔ ایک دم خاموش رہنا۔"

وہ وحشت زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اجنبی کھڑکی سے آنے والی اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بیس بائیس برس کی تھی۔ سیدھے سادے سے لباس میں ایک سیدھی سادی سی لڑکی نظر آرہی تھی۔ اجنبی اس کی کلائی پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ اس کے پردے درست کئے تاکہ باہر سے کوئی

لاکھوں میں ایک نہیں تھی پر ہزاروں میں ایک ضرور تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اجنبی اس کی تعریف کرے مگر یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی توہین کرے۔ وہ تھوڑی دیر تک اسے گھورتی رہی پھر ناگواری سے بولی۔

"تم مجبور ہو تو یہاں رات بھر رہو۔ میں کسی دوسری جگہ جاکر سو جاؤں گی۔"

"تم اس کمرے سے باہر نہیں جاؤ گی۔ اگر مجھ سے صاف صاف سننا چاہتی ہو تو سنو۔ مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔ تم یہاں سے باہر جاکر میرے لئے مصیبت بن جاؤ گی۔"

"میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ تم مجھ پر بھروسہ کرو۔"

"جب تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتی ہو تو پھر میں کیسے کروں؟ بہتر یہ ہے کہ مجھ سے بحث نہ کرو۔ ایک اچھی بچی کی طرح چپ چاپ سو جاؤ۔ یہ دروازہ اندر سے لاک نہیں ہوتا ہے اس لئے میں تمام رات دروازے کے پاس بیٹھا رہوں گا۔"

وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی' پھر بستر سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"میں باتھ روم جاؤں گی۔"

اجنبی نے باتھ روم کی جانب دیکھا۔ پھر اس کا راستہ روکتے ہوئے بولا۔

"ٹھہرو' پہلے میں اندر جاکر دیکھوں گا۔"

اس نے آگے بڑھ کر باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ اندر جھانک کر دیکھا پھر جلدی سے دروازہ بند کرتے ہوئے چٹخنی چڑھانے کے بعد بولا۔

"وہاں دوسری طرف دروازہ ہے۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"تم نے پوچھا نہیں' میں نے بتایا نہیں۔ یہ دو کمروں کا کامن باتھ روم ہے۔ دوسری طرف کا دروازہ دوسرے کمرے میں کھلتا ہے۔ اس کمرے میں جو لڑکی کرایہ دار ہے' وہ بھی اس باتھ روم کو استعمال کرتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی اس کمرے میں تم سے ملنے آسکتی ہے؟"

"نہیں۔ میرا اس سے جھگڑا ہے۔ وہ یہاں نہیں آئے گی۔"

"پھر بھی میں تمہیں تنہا باتھ روم میں نہیں جانے دوں گا۔ میں بھی ساتھ جاؤں

گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" وہ غصے سے بولی۔ "تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "یہ واقعی شرم کی بات ہے مگر میں اپنے حالات سے مجبور ہوں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں کتنی شرافت سے پیش آرہا ہوں اور آئندہ بھی شرافت کا ثبوت دیتا رہوں گا۔ تم باتھ روم میں چلو میں دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا رہوں گا۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ جھینپ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"نہ جاؤ۔ تمہاری مرضی ہے لیکن اب میں دروازے کے پاس نہیں بیٹھوں گا کیونکہ بیٹھے بیٹھے اگر نیند آگئی تو تم باتھ روم کے دروازے سے چلی جاؤ گی۔ میں بیک وقت تمام دروازوں کی نگرانی نہیں کرسکتا اس لئے ہم تمام رات ایک جگہ رہیں گے' ایک جگہ بیٹھیں گے یا ایک جگہ سوئیں گے۔"

"تت۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ گھبرا کر بیٹھے ہی بیٹھے بستر پر پیچھے کھسکنے لگی۔

"تم۔ تم صرف زبان سے شرافت کا دعویٰ کرتے ہو۔ کیا کوئی شریف آدمی کسی لڑکی سے ایسی باتیں کرتا ہے؟"

"تم ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو سمجھ لوگی کہ میں کس طرح مجبور ہو کر ایسی باتیں کر رہا ہوں۔ اس وقت میں اپنے باپ پر بھی اعتماد نہیں کرسکتا پھر تم پر کیسے اعتماد کروں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تم اس پر خاموشی سے عمل کرتی جاؤ صبح تمہیں میری شرافت کا یقین آجائے گا۔"

وہ بستر کے آخری سرے پر پہنچ کر سمٹ گئی تھی۔ کچھ شرما رہی تھی کچھ گھبرا رہی تھی اور اجنبی سے نظریں چرا رہی تھی۔ اجنبی کمرے کی ہر چیز کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کمرا اس لڑکی کا ڈرائنگ روم بھی تھا' بیڈ روم بھی تھا اور کچن بھی۔ بیڈ کے پاس ایک سنگھار میز تھی' کمرے کے وسط میں دو کرسیاں اور ایک درمیانی میز

ے کے لئے زنگ خوردہ بلیڈوں کا ایک پیکٹ بھی تھا۔ رسی نکالتے وقت وہ ایک
ل گئی۔ فوراً ہی اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔
ت کے دوسری طرف کھڑا تھا۔ ان کے درمیان صندوق کا کھلا ہوا پٹ ایک
ی طرح حائل تھا۔ اس نے جلدی سے ایک بلیڈ اٹھا کر اپنے بلاؤز کے گریبان
لیا۔ صندوق کو بند کر کے اسے پلنگ کے نیچے دھکیل دیا اور رسی اس کی جانب
۔

جنبی نے رسی لیتے ہوئے کہا۔ "کچھ کھانا پینا ہو تو کھا پی لو۔ اس رسی میں بندھنے
تمہیں خاموشی سے سو جانا ہو گا۔ اگر تم حرکت کرو گی تو میری نیند میں خلل پڑے

میں روٹی کھا چکی ہوں تم اپنے اطمینان کے لئے جو کرنا چاہو کرو۔ میں کمزور
ارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم کمزور ہو۔ اگر تمہاری جگہ کوئی شہ زور ہوتا تو
ں آتے ہی سب سے پہلے اس کی لاش گرا دیتا۔ بہرحال تم روٹی کھا چکی ہو میں
ں۔ کیا ایک کپ چائے پلا سکتی ہو؟"

دودھ ختم ہو گیا ہے۔"

صرف قہوہ پلا دو۔"

چینی نہیں ہے۔"

چینی نہ سہی' اپنے لہجے میں تو مٹھاس رکھو۔ میں بن بلایا مہمان ہوں اس لئے
مہمان نوازی پر مجبور نہیں کروں گا۔ آؤ یہاں آ کر پلنگ پر بیٹھو۔"

ے حکم کے مطابق اس کے سامنے آ کر پلنگ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اجنبی فرش پر
ر تحکمانہ لہجے میں بولا۔

ساڑھی اٹھاؤ!"

کک۔ کیا؟" وہ گھبرا کر پیچھے کھسکنے لگی۔

سکون سے سو رہا ہے۔ عورت کا حسن ہو یا اس کا مکان ہو' مرد اس کی کسی چیز کو اپنا سمجھ لے تو عورت کا مان بڑھ جاتا ہے۔

وہ غسل سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی۔ دوبارہ چولہے کو جلا کر اس پر چائے کے لئے پانی رکھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اجنبی کو ٹھنڈ لگ رہی ہو گی وہ پلنگ پر سے لحاف اٹھا کر اس پر ڈالنے لگی۔ وہ ذرا سا کسمسایا' کروٹ لی' پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے چند لمحوں تک وہ آنکھیں کھولے سوچتا رہا۔ صرف چند لمحے پھر اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ اس نے سب سے پہلے لڑکی کے پاؤں کو دیکھا۔ رسی نہیں تھی۔ اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ رسی کے آخری سرے کو دیکھا' پھر اس نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ ایسا غیر متوقع جھٹکا تھا کہ لڑکی ہوا کے ایک جھونکے کی طرح آئی اور اس سے پھسلتی ہوئی دوسری طرف فرش پر پہنچ گئی۔ اجنبی نے کروٹ بدل کر اس کو دبوچ لیا۔ یہ زیر ہو گئی' وہ زبر ہو گیا۔

"رسی کو کس طرح کاٹا' کیوں کاٹا؟" وہ درندے کی طرح غرایا۔

پہاڑ تلے چیونٹی خاموش تھی۔ وہ خوفزدہ نہیں تھی' خواب زدہ تھی۔ چٹان کے سائے میں میٹھے چشمے کی طرح بہہ رہی تھی۔ ایک زبان سے چپ تھی' ہزار جذبوں سے بول رہی تھی۔ وہ سن نہ سکا' سمجھ نہ سکا۔ اسے صرف اپنی حفاظت کا خیال تھا۔ وہ پھر غرایا۔

"تم سمجھ رہی تھیں کہ رسی کاٹ کر بھاگ جاؤ گی۔ میں غافل نہیں تھا۔ میں رات بھر جاگتا رہا' بار بار اٹھ کر تمہیں دیکھتا رہا۔ ابھی تم رسی کاٹ کر بھاگنا چاہتی تھیں' دیکھ لو کیسے عین وقت پر پکڑ لیا۔"

وہ زیر لب مسکرانے لگی اجنبی کو اچانک احساس ہوا کہ اس کے شکنجے میں مسکرانے والی ایک دم بدل گئی ہے۔ وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ سونے سے پہلے جیسے دیکھا تھا' ویسی اب نہیں ہے۔ پہلے چوٹی گوندھی ہوئی تھی' اب زلفیں ساون کی گھٹاؤں کی طرح پھیلی ہیں اور بھیگی ہوئی ہیں اور لباس بدلا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بہت

پہلے سے آزاد ہو کر اس نے غسل کیا ہے' لباس بدلا ہے اور..... اور چولہے پر چڑھی ہوئی کیتلی سے سیٹی کی آواز آنے لگی۔ یہ الارم تھا کہ پانی بہت دیر سے چڑھا ہوا ہے اور اب کھول رہا ہے۔

وہ آہستگی سے الگ ہو گیا اور فرش پر بیٹھ کر اسے گھورنے لگا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی وہ پلکیں جھکا کر پھر مسکرانے لگی۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

"تم باہر گئی تھیں؟"

"نہیں۔ صرف دروازہ کھولا تھا۔"

"کیوں؟"

"دودھ لینے کے لئے۔"

"اگر کوئی دیکھ لیتا تو؟"

"پہلے میں بدنام ہوتی اور کوئی لڑکی جان بوجھ کر بدنام نہیں ہونا چاہتی۔"

وہ منہ پھیر کر اپنا سر کھجانے لگا۔ لڑکی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اپنا لباس درست کرتی ہوئی چولہے کے پاس آ گئی۔ اس نے چائے کی کیتلی اتارتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کھاؤ گے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا مجھ سے ناراض ہو؟"

وہ غصے سے دیکھنے لگا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے منہ پھیر کر بولی۔ "میں مجبور تھی۔ دودھ والا آ گیا تھا۔ اگر میں آزاد ہو کر دودھ لینے نہ جاتی تو اسے تشویش ہوتی اور وہ دروازہ کھلوانے کے لئے مکان کی مالکہ کو بلا کر لے آتا۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟" اس نے جھلا کر پوچھا۔

"تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے ہو تم مجھے دروازہ کھولنے کی اجازت نہ دیتے اس

پر بھی بات بگڑ جاتی۔ تم تو ایسے غصہ دکھا رہے ہو جیسے میں نے دشمنی کی ہے۔"

"ہاں۔ دشمنی کی ہے مجھے پھر یہاں رات تک کے لئے قید کر دیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ منہ اندھیرے اٹھ کر چلا جاؤں گا مگر اب تو دن نکل آیا ہے جانتی ہو ابھی یہاں سے نکل کر جاؤں گا تو کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا؟"

"میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا پیچھا کرنے والے اب یہاں نہیں ہوں گے لیکن کسی نے اس کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تو یہی سمجھے گا کہ میں تمہارے ساتھ رات گزار کر جا رہا ہوں۔"

وہ پیالی میں چائے انڈیلتی ہوئی بولی۔ "کیا تم نے رات نہیں گزاری ہے؟ ایسے سو رہے تھے جیسے کئی راتیں جاگ کر آئے ہو۔ اب مجھے غصہ دکھا رہے ہو۔ اچھی زبردستی ہے۔"

وہ چائے کی پیالی لے کر آئی۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"شکریہ! مجھے بیڈ ٹی کی عادت نہیں ہے۔ پہلے کچھ کھاؤں گا پھر چائے پیوں گا۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہیں اپنے لئے کچھ پکانے کی تکلیف دے رہا ہوں۔"

"تم کہاں تک افسوس کا اظہار کرو گے۔ ایک تکلیف ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی۔ پہلی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ تم کل رات سے یہاں قبضہ جمائے ہوئے ہو۔ دوسری یہ کہ تم نے مجھے جانور سمجھ کر رسی سے باندھ رکھا تھا تیسری یہ کہ تم میرے گھر میں سوتے رہے اور میں اپنے گھر میں جاگتی رہی۔ اب اس کے بعد کھانا پکانے کی تکلیف۔ اس کے بعد اور نہ جانے کتنی تکلیفیں دو گے۔ پھر یہ رسمی طور پر افسوس کیوں ظاہر کرتے ہو۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں' کیا تم اس کا کوئی اچھا صلہ نہیں دے سکتے۔"

"ہاں!" اس نے سر ہلا کر کہا۔ "دے سکتا ہوں۔ کیا چاہتی ہو؟"

وہ پیالی لے کر نعمت خانے کی طرف جاتی ہوئی یا اس سے منہ چھپاتی ہوئی بولی۔

"کسی عورت کے ساتھ رہنے کا سلیقہ سیکھو۔ کم از کم شکریہ کہتے وقت مسکرا دیا کرو۔"

وہ گردن جھکا کر پھر سر کھجانے لگا اس نے چولہے کے پاس سے گھوم کر دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے تقدیر یہاں کھینچ لائی ہے ورنہ آج تک میں کبھی کسی عورت کے اتنے قریب نہیں رہا۔ تم کہتی ہو تو اب مسکراتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے بتیسی نکال دی۔ وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"یہ ٹھیک ہے' اس دنیا میں ہر چیز کا لین دین پیسوں سے ہوتا ہے ایک مسکراہٹ ایسی چیز ہے جسے ہم مفت دے سکتے ہیں مگر کچھ لوگ اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں میں تمہیں نہیں کہہ رہی ہوں۔ تم نے تو پوری بتیسی نکال دی ہے۔"

وہ مسکراتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے چولہے پر سالن چڑھایا۔ بستر کو درست کیا۔ کمرے کی صفائی کی پھر بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ اس دوران وہ ہولے ہولے گنگناتی رہی اور کبھی کبھی زیر لب مسکراتی رہی۔ زندگی میں ہلکی ہلکی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو فوراً ہی اس کا احساس نہیں ہوتا اسے بھی اس بات کا احساس نہیں تھا کہ وہ بے اختیار کیوں گنگنا رہی ہے۔

وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا اور باتھ روم کے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی۔ اس نے چولہے پر سے سالن اتارتے ہوئے کہا۔

"سالن تیار ہے۔ میں تندور سے روٹیاں لے کر آتی ہوں۔ کہو تو جاؤں؟"

اس نے دروازے کو دیکھا۔ کچھ سوچا' پھر مسکرا کر جیب سے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکالتے ہوئے بولا۔

"جاؤ۔ میرے لئے ایک اخبار' ایک کے ٹو کا پیکٹ لے آنا۔ اس میں سے روٹیوں کے لئے پیسے بھی دے دینا۔"

"مہمان سے روٹیوں کے پیسے نہیں لئے جاتے۔ میں تمہاری ضرورت کی چیزیں لے آؤں گی۔" اس نے پانچ کا نوٹ لے لیا۔ پھر تالا چابی اٹھا کر بولی۔ "تم اندر سے چٹخنی نہ لگانا۔ میں باہر سے تالا ڈال کر جا رہی ہوں۔"

وہ دروازے کے پاس آئی' اسے مسکرا کر دیکھا' پھر باہر جا کر دروازے کو بند کر دیا۔

وہ تنہا کمرے میں کھڑا رہا اور سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔ اس کے چہرے کی پریشانی بتا رہی تھی کہ وہ اپنی میزبان اور محسنہ کے متعلق نہیں سوچ رہا ہے اگر محسنہ کے متعلق سوچتا تو ذرا حسن ادا سے سوچتا۔ چہرے پر مسکراہٹ اور ہونٹوں پر گنگناہٹ ہوتی۔ اس کی بے حسی کہہ رہی تھی کہ وہ صرف اپنے متعلق سوچ رہا ہے۔ جب سے وہ یہاں آیا ہے' اپنی ہی ذات میں ڈوبا رہا ہے' اپنی ہی پریشانیوں میں الجھا رہا ہے۔ پچھلی رات سے وہ لڑکی کے ساتھ تھا مگر اپنے آپ میں تنہا تھا۔ جب اپنے ہاتھوں سے ایک انسان کی زندگی ختم ہو جائے اور قتل کا مجرم بن جائے تو اس دنیا کی تمام رنگینیاں پھیکی پڑ جاتی ہیں اور کوئی حسین ترین لڑکی نگاہوں کے سامنے رہ کر بھی دکھائی نہیں دیتی۔ کسی جذبے کو کسی احساس کو نہیں چھوتی۔ بس وہ بے تکا گھونسہ یاد آتا ہے۔ بے تکا اس لئے کہ آج تک اس نے کبھی یہ نہیں سنا تھا کہ آدمی صرف ایک گھونسے سے بھی مر سکتا ہے۔

وہ روٹیاں لے کر واپس آئی تو اس نے سب سے پہلے اخبار ہاتھ میں لیا اور اسے کھول کر جرائم کی خبریں تلاش کرنے لگا۔ لڑکی نے کچھ کہا تھا لیکن اس کے کان نہیں سن رہے تھے۔ وہ اخبار کے صفحات میں گم ہو گیا تھا۔ آخری صفحے میں جرائم کی چھوٹی بڑی خبریں تھیں مگر اس شراب خانے کا کوئی ذکر نہیں تھا' جہاں وہ ایک شرابی کو ہلاک کر آیا تھا۔

اس نے جھلا کر اخبار کو ایک طرف پھینک دیا۔ لڑکی نے فرش پر پڑے ہوئے اخبار کو دیکھا پھر تعجب سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ تم سے مطلب؟ تم اپنے کام سے کام رکھو یہ اخبار والے پیسے لوٹتے ہیں۔ کبھی کوئی کام کی خبر شائع نہیں کرتے۔ شہر میں کوئی قتل ہو جائے' تب بھی لیڈروں

کے بیانات سے صفحات سیاہ کر دیتے ہیں۔"

"کیا شہر میں کوئی قتل ہو گیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"تم نے پھر بکواس کی؟"

یک بیک اسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ لڑکی کو غصہ دکھا رہا ہے۔ وہ تو اپنے ہاں اسے روک کر احسان کر رہی تھی۔ باہر جا کر نہ جانے وہ کس مصیبت میں مبتلا ہو جاتا۔ یہ تو یقینی بات تھی کہ پولیس والے اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی محسنہ کا مسکرانے والا سبق یاد آیا۔ اس نے بے اختیار بتیسی نکال دی۔ لڑکی حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ بلاوجہ غصہ کرتے ہو' بلاوجہ مسکراتے ہو؟"

"وہ میں۔ میں بھول گیا تھا کہ تم نے مسکرانے کے لئے کہا ہے۔"

وہ ہنستی ہوئی نعمت خانے کی طرف گئی۔ وہاں سے سالن کی پلیٹ اور روٹیاں لا کر دو کرسیوں کے درمیان ایک میز پر رکھتی ہوئی بولی۔

"آؤ کھانا شروع کرو ورنہ سالن ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

وہ ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ میز کی دوسری طرف کرسی خالی تھی۔ لڑکی اس انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ اسے بیٹھنے اور اپنے ساتھ کھانے کے لئے کہے گا لیکن اس نے ایسی لاپرواہی سے کھانا شروع کر دیا تھا جیسے اس کے آس پاس کسی کا وجود نہ ہو۔ وہ چڑ کر بولی۔

"کیا جنگل سے آئے ہو؟ کبھی دوسروں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھاتے ہو؟"

"نہیں۔ دوسروں کے آگے میں گھاس نہیں ڈالتا اور میرا کوئی اپنا نہیں ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے' خود کو اتنی بڑی دنیا میں تنہا پایا ہے۔"

وہ ہمدردی سے اسے دیکھنے لگی۔

"پھر بھی انسانوں کی دنیا میں رہتے ہو' کچھ تو طور طریقے سیکھنے کی کوشش کرو۔

مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔
د کو یقین دلاتا رہا کہ اس نے
فرش پر آ کر لیٹ گیا۔ خود کو
ی تھی۔
پہلے چند لمحوں تک وہ ہمیشہ کی
ہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ اجنبی
ہا تھا۔ وہ چاہتا تو پلنگ پر آ کر
نہیں سوچتا تھا۔ وہی خواہ مخواہ
اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی
ے کہ مرد شریف ہو مگر یہ بھی
ں کہ وہ دل پر بوجھ بن گیا تھا۔
ا' نہ غیریت برت کر یہاں سے

میں گئی اور منہ ہاتھ دھونے
پر چھائی ہوئی دھند چھٹنے لگی۔
، تو اسے بھی اس کی قدر کرنی
ہے' اندھیرا ہوتے ہی چلا جائے

س نے غسل خانے سے نکل کر
کر سگریٹ سلگا رہا تھا۔ پھر اس
لئے نظریں ملیں۔ یہ مسکرائی'
گا۔

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ اس میں ایمانداری نہیں ہوتی۔ یہ سراسر بے ایمانی کا کھیل ہے۔"

"تم نے غلط سنا ہے۔ یہ دیکھو میں دکھا رہا ہوں۔"

اس نے فرش پر تینوں پتے سیدھے رکھ دیئے اور اس سے پوچھا۔

"تم پتے پہچانتی ہو نا؟ یہ بادشاہ ہے' یہ بیگم ہے اور یہ غلام....."

"ہاں میں پہچانتی ہوں۔"

"کیا خاک پہچانو گی۔ کمرے میں اندھیرا پھیل رہا ہے۔ پہلے لائٹ آن کرو۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سوئچ بورڈ کے پاس گئی۔ رات اپنے سیاہ پر کھول رہی تھی۔ اس نے لائٹ آن کردی اور یہ سوچتی ہوئی اس کے پاس دوبارہ آبیٹھی کہ چلو کھیل کے بہانے وہ تھوڑی دیر رکا رہے گا۔ اجنبی نے کہا۔

"تم اچھی طرح دیکھ لو کہ بیگم کہاں ہے۔ میں ابھی پتے الٹ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے بیگم کا پتا پہچان لیا ہے۔"

اجنبی نے دو پتے اپنی دائیں ہتھیلی پر رکھے۔ ایک پتا بائیں ہتھیلی پر رکھا پھر بڑی پھرتی سے دونوں ہتھیلیوں کو فرش پر مارتے ہوئے بولا۔

"بادشاہ غلام اندر' بیگم باہر کرو۔"

اس نے فرش پر سے ہتھیلیوں کو اٹھایا۔ لڑکی کے سامنے تین پتے اوندھے پڑے تھے۔ وہ بڑے غور سے ان پتوں کو دیکھتی رہی' سوچتی رہی۔ پھر اس نے ایک پتے پر انگلی رکھ دی۔

"یہ بیگم ہے۔"

اجنبی نے اس کے بتائے ہوئے پتے کو الٹ دیا۔ وہ غلام تھا۔

"دیکھو' میں نے ایمانداری سے تمہیں پتے دکھائے تھے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے انہیں ہتھیلیوں پر رکھا تھا اور تمہارے سامنے انہیں فرش پر الٹ دیا تھا۔ بتاؤ میں نے بے ایمانی کی تھی۔ اگر تم شرط لگاتیں اور ہار جاتیں تو اس میں میرا کیا قصور

ہوتا؟"

لڑکی نے قائل ہو کر کہا۔ "اس طرح تو یہ واقعی ایمانداری کا کھیل ہے۔ دراصل میں نے توجہ نہیں دی تھی۔ پھر کھیلو اب کے میں بتادوں گی۔"

"کون سا پتا بتاؤ گی؟"

"وہی بیگم!"

اجنبی نے پھر اسی طرح پتے ہتھیلیوں پر رکھے اور انہیں فرش پر الٹ دیا۔ لڑکی نے ایک پتے کی طرف اشارہ کیا مگر وہ بیگم کا پتا نہیں تھا۔

"میں دو تین بار اور کھیلتا ہوں' تم غور سے دیکھو۔"

وہ بار بار ہاتھ کی صفائی دکھانے لگا چوتھی بار لڑکی نے اس کی چالاکی سمجھ لی اور ٹھیک اس نے بیگم کا پتا باہر کردیا۔ دراصل بیگم کا جو پتا تھا اس کا ایک کونہ بالکل ذرا سا مڑا ہوا تھا۔ اتنا ذرا سا کہ بہت غور سے دیکھنے پر نظر آتا تھا اور لڑکی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پانچویں بار اس نے اسی شناخت کے ذریعے بیگم کو باہر کیا۔ پھر ہنستی ہوئی بولی۔

"اگر تم مجھ سے کھیلو گے تو اپنی جیب کی ساری رقم ہار جاؤ گے۔"

"دو بار جیت گئی ہو' مجھے چیلنج کر رہی ہو۔ مجھ سے جیتنا کھیل نہیں ہے۔"

"دیکھو ڈینگیں نہ مارو۔ سچ کہتی ہوں تم ہار جاؤ گے۔"

اجنبی نے پتوں کو زمین پر پھینک کر کہا۔

"تو پھر نکالو رقم۔ سامنے رکھو۔ جتنی رقم رکھو گی' جیتنے پر اس سے دوگنا پاؤ گی۔"

لڑکی نے اسے نہیں بتایا تھا کہ وہ بیگم کے پتے کو کس طرح پہچاننے لگی ہے۔ اسے پورا یقین تھا کہ جب بھی وہ بیگم پر پیسہ لگائے گی' اس سے دوگنا جیت لے گی۔ یہ کھیل دیر تک جاری رہے گا۔ دلچسپی رہے گی۔ اجنبی کا ساتھ رہے گا۔ جب وہ جائے گا تو جیتی ہوئی ساری رقم اسے لوٹا دے گی۔

وہ وہاں سے اٹھ کر اپنا پرس لے آئی اور اسے کھولتی ہوئی بولی۔ "پرسوں میری تنخواہ ملے گی۔ میرے پاس صرف یہ دس روپے ستر پیسے ہیں مگر جیتنا تو مجھے ہی ہے۔"

یقین ہے تو لگادو پورے دس روپے۔ تمہیں بیس روپے مل

ے بیس روپے نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ لڑکی نے تنبیہہ

ؤ گے تو چٹکی بجا کر تمہاری جیب خالی کردوں گی۔"
ی کی دھمکی میں نہیں آتا۔ بولو کون سا پتا؟"
ہے۔"
تیلی پر پتے سجائے' پھر دونوں ہتھیلیوں کو فرش پر اوندھا

م باہر کرو۔"
رھے پڑے تھے۔ پشت کی جانب سے ایک جیسے تھے مگر وہ
پتوں میں بھی پہچان سکتی تھی' اس پر اس نے انگلی رکھ

یا اپنے بیس روپے اور اس کے دس روپے اٹھائے اور
ٹ دیا۔ وہ بادشاہ تھا۔
ھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔
؟ پہلے تو بیگم کے پتے کا کونہ مڑا ہوا تھا۔ اب وہ سیدھا
کونہ مڑ گیا۔"
ے شانے اچکا کر کہا۔ "مجھے کیا معلوم۔ میں تو تمہاری
ہوں اور تمہارے سامنے انہیں زمین پر رکھتا ہوں۔ کسی
لئے انگلی بھی نہیں لگاؤں گا۔ تم اپنے ہاتھ سے یہ پتے اٹھا
پھر تو تمہارا شبہ دور ہو جائے گا۔"
ں۔ "مگر میرے پاس تو صرف ستر پیسے رہ گئے ہیں۔ مجھے

کچھ ادھار دو۔"
"کھیل میں ادھار نہیں ہوتا۔ یہ ستر پیسے لگاؤ اور ایک سو چالیس پیسے جیت کر لے جاؤ۔"
لڑکی نے غصے سے اسے دیکھا' پرس سے ستر پیسے نکالے اور اس کے سامنے رکھتی ہوئی بولی۔ "چلو ہاتھ پھیلاؤ۔"
اجنبی نے اس کے سامنے دونوں ہتھیلیاں پھیلادیں۔ لڑکی نے بائیں ہاتھ پر بیگم کو رکھا اور دائیں ہتھیلی پر بادشاہ اور غلام کو رکھا۔ وہ دیکھ رہی تھی' بادشاہ کے پتے کا کونہ اسی طرح مڑا ہوا تھا اس نے کہا۔
"اب میں بادشاہ کو باہر کردوں گی۔"
اجنبی نے تنبیہہ کے طور پر کہا۔ "اچھی طرح دیکھ لو۔ پتے تمہارے سامنے ہیں میری ہتھیلیاں تمہارے سامنے ہیں۔ میں نے انہیں انگلی تک نہیں لگائی ہے۔ اب نہ کہنا کہ میں پتوں کے کونے موڑ دیتا ہوں۔"
یہ کہہ کر اس نے ہتھیلیوں کو زمین پر اوندھا دیا اور دوسرے لمحے وہاں سے ہاتھ ہٹا لئے۔ لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔
"پچھلی بار بیگم کا پتہ جب تک تمہاری ہتھیلی پر تھا' اس کا کونہ مڑا ہوا تھا۔ زمین پر آتے ہی اس کا کونہ سیدھا ہوگیا اور بادشاہ کے پتے کا کونہ مڑ گیا تم اسی وقت چالاکی کرتے ہو جب زمین پر ہاتھ مارتے ہو' لہٰذا اس بار بھی تم نے دھوکا دینے کے لئے یقیناً کسی دوسرے پتے کا کونہ موڑ دیا ہے۔ اب میں دھوکا نہیں کھاؤں گی۔ یہ دیکھو یہ جو مڑے ہوئے کونے کا پتا ہے' اس کے ساتھ والا بادشاہ ہے' اسے الٹ دو۔"
اجنبی نے ایک ہاتھ سے ستر پیسے اٹھائے اور دوسرے ہاتھ سے پتے کو الٹ دیا۔ وہ غلام تھا۔
لڑکی مرجھا گئی۔ بادشاہ کے پتے کا کونہ بدستور کھڑا ہوا تھا۔ اجنبی نے سیدھا نہیں کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"نہیں!"

"میں کل تک اپنا خرچ کیسے چلاؤں گی۔ خدا کی قسم اب میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔"

"یہ تمہیں تاش کے پتوں پر پیسہ لگاتے وقت سوچنا چاہئے تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

وہ جبراً مسکراتی ہوئی بولی۔ "مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ تم یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔ اگر یہ مذاق ہے تو اب اسے ختم کرو۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ نہ جانے کیوں میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

وہ بڑی بے نیازی سے چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ پھر دروازے کی چٹخنی گرانے کے بعد پلٹ کر بتیسی نکال دی۔

"تم نے اپنی مہربانیوں کے صلے میں مسکراہٹ مانگی تھی۔ اگر یہاں رہنے اور کھانے پینے کے پیسے مانگتیں تو وہ بھی دے دیتا تمہاری رقم اس لئے واپس نہیں کر سکتا کہ یہ قماربازی کے اصول کے خلاف ہے۔ واقعی مسکرانے کا پیسہ نہیں لگتا ہے۔ تم بہت اچھی ہو تم نے اپنی مہربانیوں کا انمول صلہ مانگ کر مجھے سستا چھوڑ دیا ہے شکریہ!"

وہ باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہوگیا۔

وہ یک بیک لڑکھڑا کر پیچھے گئی جیسے کلیجے پر زور کا گھونسہ پڑا ہو۔ پھر دھپ سے بستر پر بیٹھ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جسم سے جان نکل گئی ہے اور ہاتھ پاؤں میں ہلنے کی سکت نہیں ہے اور اس کے اندر جو کچھ تھا وہ خالی ہوگیا ہے اور جانے والا اس کے وجود کے پرس سے تمام محبت اور خلوص کی نقدی سمیٹ کر لے گیا ہے۔

وہ عمر کی جس سیج پر بیٹھی ہوئی تھی' وہاں دس روپے ستر پیسے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہاں تو ایسے انمول جذبے ہوتے ہیں جو سکّوں کی طرح گنے نہیں جاتے۔ ایسی آرزوئیں ہوتی ہیں جو تاش کے بے ایمان پتوں کی طرح پھینٹی نہیں جاتیں۔ وہاں تو صرف ایک مسکراہٹ کی خاطر رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے اور دشمنوں سے بچانے

کے لئے اجنبی محبت پر اپنے آنچل کا سایہ کیا جاتا ہے۔ اس نے پناہ دی' روٹی دی' آنکھ بھر کے نیند اور جی بھر کے اپنی تنہائی دی۔ اگر وہ مانگتا تو وہ اپنے بدن کی بوٹی بوٹی کاٹ کر دے دیتی۔ ارے بے ایمان! دغاباز! دس روپے ستر پیسے میں اپنی اوقات دکھا گیا.....

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ تنہا تھی۔ چھ سال سے تنہا تھی۔ اس دوران اس نے دکھ بیماری میں بھی آنسو بہائے تھے مگر آج تک کوئی اس کے آنسو پونچھنے نہیں آیا۔ اس کا کوئی نہیں تھا جو اسے سینے سے لگا کر تسلیاں دیتا۔ وہ اپنے آنسو اپنے ہی ہاتھوں سے پونچھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ کچھ نہ ہو تو انسان اپنے آنسو دکھا کر ہی ہمدردی حاصل کرتا ہے مگر یہ تنہائی بڑی ظالم ہوتی ہے۔ وہ آج تک کسی کو اپنے آنسو بھی نہ دکھا سکی۔

کتنے ہی غم تھے اور کتنے ہی زخم تھے جو ہرے ہوگئے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر تک روتی رہی اور اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں پونچھتی رہی۔ پھر دروازے پر دستک سنائی دی۔

یکبارگی دل کی دھڑکنیں جیسے تھم گئیں۔ دماغ کے کسی گوشے سے آواز آئی۔ شاید وہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر واپس آگیا ہے۔

وہ جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی دروزے کے پاس آئی۔ دروازے کی چٹخنی گری ہوئی تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اسے کھول دیا۔

باہر مکان کی مالکہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے بوڑھی تجربہ کار آنکھوں سے جوان لڑکی کو ایک نظر دیکھا' پھر رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا وہ چلا گیا؟"

"کک.....کون؟" وہ گھبرا گئی۔

"وہی جو نہ جانے کب سے تمہارے کمرے میں تھا۔"

ستعمال نہیں کرنا چاہئے۔
ں ہیں۔ میرے ہاں جتنی
کہ وہ سب تمہاری طرح
آتا' آتا بھی ہے تو وقت
م کو تھک ہار کر آتی ہیں
ت نہیں ملتی تو وقتی محبت
م نہیں کرتی ہیں۔ ہر ماہ
میں بھی کچھ نہیں کہتی۔
ی طرف ہے۔ یہاں سے
ر باتیں بنائیں گے اور
آئندہ محتاط رہو اور اس
آئے۔ رات کو جب بھی
بھلائی کے لئے سمجھا رہی

سے اس کے شانے پر ہاتھ

ں کہتی ہیں کہ تم پتھر ہو۔
کوئی سپنا نہیں دیکھتی ہو
یکھ لیا۔ اب میں تمہاری
میں۔ یہ درست ہے کہ
لئے روتی ہے یا چپ چاپ
پلا ساتھی تمہاری زندگی
برداشت کرلینا کہ یہ کسی

گرومندر کے گول چکر کے پاس لاکر رکشے کو کھڑا کردیا۔

اجنبی رکشے سے اتر گیا۔ میٹر کے مطابق اس نے رکشے والے کو چھ روپے بیس پیسے ادا کئے اور ایک دکان کے سائے میں کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اسے یاد آگیا کہ اس گول چکر کے دوسری طرف تقریباً سو قدم کے فاصلے پر وہ شراب خانہ ہے۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ راستے میں ٹریفک زیادہ تھی۔ وہ فٹ پاتھ پر چل رہا تھا اور آس پاس سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتا جارہا تھا کہ کوئی اسے قاتل کی حیثیت سے پہچانتا تو نہیں ہے؟ تھوڑی دور جاکر وہ ایک درخت کے سائے میں رک گیا۔ دور ہی سے وہ شراب خانہ نظر آرہا تھا مگر وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی کھڑکیاں اور دروازے بند تھے..... دروازے کے سامنے ایک شخص چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی کھڑے ہوئے اس سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر وہ دونوں سر جھکا کر اسی طرف آنے لگے جہاں اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ جب وہ قریب سے گزرنے لگے تو اجنبی نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"آج یہ بار کیوں بند ہے؟"

ایک شخص نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر جواب دیا۔

"صرف یہی نہیں' شہر کے تمام شراب خانے بند ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ شاید چور دروازے سے پینے کو مل جائے مگر پولیس والے بڑی سختی کر رہے ہیں۔ کیا تم بھی پیتے ہو؟"

"ہاں!" اجنبی نے جواب دیا۔

"تو پھر صبر کرو۔ جب تک پولیس والوں کی تفتیش مکمل نہیں ہوگی' شراب خانے نہیں کھلیں گے۔"

"کیسی تفتیش؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"تم کیسے شرابی ہو؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"

تھا۔ ایک رات اور ایک دن
سب سے پہلے اس بات کی فکر
اس کے گھونسے کا شکار ہوگیا
ڈیش کی بات نہیں تھی' زیادہ
ں جاکر نوسربازی سے گزارہ

قے کا نام وہ جانتا تھا مگر وہاں
سے کہا۔

ر سمجھ گیا کہ کوئی پینڈو ہے۔
ر آن کردیا۔ اجنبی رکشے میں
پڑا تھا۔ گرومندر وہاں سے
ر حواسی میں بھاگتا رہا تھا اور
یہی بات تھی کہ وہ گرو مندر
ر کر جماعت خانے کے راستے
۔ پھر تین ہٹی سے گھوم کر

پھر اسے یاد آیا کہ لڑکی کہیں ملازمت کرتی ہے۔ اس نے کارخانے کا پتہ بھی بتایا تھا۔ وہ کل صبح وہاں جاکر اس کی رقم واپس کر سکتا ہے۔

وہ کھڑے ہو کر اس کے بتائے ہوئے پتے کو یاد کرنے لگا۔ وہ بت کی طرح کھڑا تھا اور اپنی پوری یکسوئی سے لڑکی کو یاد کر رہا تھا۔ پھر وہ آئی اور اس کی یادداشت کے خانے میں بیٹھ کر کہنے لگی۔

"میں اسٹائلو میں کام کرتی ہوں۔ صدر کے پاس جو لکی اسٹار ہوٹل ہے نا! اس کے ساتھ ہی وہ کارخانہ ہے....."

اسٹائلو۔ صدر۔ لکی اسٹار ہوٹل۔ بس اتنا پتا کافی تھا۔ کل صبح وہ لوگوں سے پوچھتا ہوا وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔ پتا یاد آتے ہی اس نے خود کو ایک موٹی سی گالی دی کہ خواہ مخواہ اتنی دور تک پاگلوں کی طرح دوڑتا آیا ہے۔ وہ چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا۔ اب صدر جانے کا ارادہ تھا۔ وہاں کسی سستے ہوٹل کا سستا کمرہ کرائے پر لے کر رات گزارنا تھا لیکن دور تک گلیوں کا جال اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ مین روڈ کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ وہ پھر اندازے سے آگے بڑھنے لگا۔

ایک گلی کے موڑ پر ایک بھکاری بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس سے صدر کا راستہ معلوم ہو سکتا تھا لیکن قریب پہنچنے پر اس نے صدا لگائی۔

"اندھے محتاج کو خیرات دو بابا....."

وہ مایوس ہو کر آگے بڑھ گیا۔ بھلا ایک اندھا اسے راستہ کیا دکھاتا؟ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں پہنچا تو دوسری طرف سے ایک نائٹ چوکیدار آرہا تھا۔ اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

"صدر کا راستہ کون سا ہے؟"

وہ انگلی اٹھا کر بتانے لگا۔ آگے بڑھ کر وہاں گھوم جاؤ۔ وہاں سے دائیں گلی میں آگے جاکر دوشاخہ گلی آئے گی' دائیں شاخ پر جانا۔ چار کوٹھیاں پار کر کے بائیں مڑ جانا۔ پھر دائیں اور دائیں سے بائیں۔ انسان دائیں بائیں چلتے چلتے اپنی قبر تک پہنچ جاتا

ہے' کیا تم صدر تک نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارے پاس ایک سگریٹ ہو گا؟"

اجنبی اپنا ادھ جلا سگریٹ اسے دے کر آگے بڑھ گیا۔ جہاں اس نے مڑنے کے لئے کہا' وہاں مڑتے ہی ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے وہ مکان نظر آرہا تھا' اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ جتنی بھاگ دوڑ کی تھی' ساری تھکن دور ہو گئی۔ اس نے مٹھی کھول کر دس روپے اور ستر پیسوں کو دیکھا۔ پھر مکان کو دیکھا۔ مٹھی کھلی تھی۔ مکان کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

وہ دروازے پر دستک دینے کے لئے آگے بڑھا۔ پھر رک گیا۔ یہ خیال دل میں آیا کہ اگر لڑکی کے علاوہ کسی دوسری عورت نے دروازہ کھولا تو وہ کیا جواب دے گا۔ وہ جیسا بھی مناسب جواب دے گا پھر بھی لڑکی بدنام ہو گی کہ رات کو ایک غیر مرد اس سے ملنے آیا ہے۔

وہ الجھ گیا کہ اب کیا کرے؟ کس طرح اسے بلائے؟ ایسے وقت اسے ایک فلم کا سین یاد آیا۔ ہیرو اپنی ہیروئن کے مکان کے سامنے ایک درد بھرا گیت گاتا ہے۔ ہیروئن گیت سن کر تڑپتی ہے اور سماج کے سارے بندھن توڑ کر چلی آتی ہے۔ مگر وہ محبت کرنے نہیں آیا تھا اور اسے دس روپے ستر پیسے لوٹانے والا گیت نہیں آتا تھا۔ اس نے لڑکی کے ساتھ جو زیادتی کی تھی محض اس کی تلافی کرنے آیا تھا۔

وہ گلی کے راستے میں آکر اس مکان کو مایوسی سے دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ لڑکی اس وقت کیا کر رہی ہو گی؟ اس کے ضمیر نے ملامت کی کہ وہ اپنے خالی پرس کا ماتم کر رہی ہو گی۔

اس کے احساس پر پھر ایک شدید ضرب لگی اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رقم لوٹا کر ہی جائے گا خواہ دروازہ توڑنا پڑے' پائپ کے سہارے چھت پر چڑھنا پڑے یا کھڑکیوں کے راستے کمرے میں.....

یکبارگی اس کے ذہن میں وہ کھڑکی کھل گئی جو گلی کی طرف تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا مکان کے دائیں طرف آیا۔ وہاں سے پیچھے گیا۔ پیچھے تین کھڑکیاں نظر آئیں۔

اتنا وہ دیکھ چکا تھا کہ لڑکی کے کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ نیلے رنگ کا پردہ تھا۔ پہلی کھڑکی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دوسری کھڑکی کے پٹ بند تھے۔ شیشوں کے باہر پردہ پڑا ہوا تھا۔ کمرے کا اندرونی حصہ نظر نہیں آرہا تھا' البتہ اندر کی روشنی سے پردے کی نیلاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے شیشے پر ہولے سے دستک دی۔ تھوڑی دیر انتظار کیا پھر دوبارہ دستک دی۔ اس بار پردہ ذرا سا سرک گیا اور وہ نظر آنے لگی اس کی زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ سیاہ بدلیوں میں چہرے کی چاندنی چمک رہی تھی۔ آنکھیں یوں سوج گئی تھیں جیسے بہت دیر تک روتی رہی ہو۔ اس کیفیت میں آنکھیں پہلے سے زیادہ روشن' حسین اور پُرکشش ہوگئی تھیں۔ ستواں ناک کی کیل پر ننھا سا نگینہ چم چم چمک رہا تھا اور رس بھرے ہونٹ حیرت سے کُھل گئے تھے بلکہ کِھل گئے تھے۔

وہ چند لمحوں تک حیرانی سے اسے دیکھتی رہی۔ اجنبی بھی سوچتا رہا کہ یہ حسنِ بے مثال کہاں تھا' پہلے کیوں نہیں نظر آیا؟ تعجب ہے کہ پورے چوبیس گھنٹے تک وہ ایک اندھے کی طرح زندگی گزارتا رہا۔

پھر وہ چند لمحے ختم ہوگئے۔ لڑکی کی حیرانی دور ہوگئی اور دل کے زخم یاد آگئے۔ اس نے غصے اور نفرت سے اسے دیکھا' پھر پردے کو کھینچ کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

اجنبی کو یوں لگا جیسے وہ نفرت کے اندھیرے میں' دور کہیں گہرائی میں کسی کی نظروں سے گرتا جارہا ہے۔ اس نے فوراً ہی دستک دی۔ ذرا دیر بعد لڑکی نے جھلا کر پردے کو سرکایا پھر ایک ہاتھ طمانچہ مارنے کے لئے اٹھایا۔ طمانچہ تو خیر نہیں مار سکتی تھی۔ وہاں کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں' اس کے پٹ بند تھے وہ محض دھمکی دے رہی تھی۔ "چلے جاؤ۔ نہیں تو ماروں گی ہاں۔"

اجنبی نے جلدی سے دس روپے کا نوٹ کھول کر اور چٹکی میں ستر پیسے لے کر دکھائے اور اشارے سے کہا۔ "میں یہ واپس کرنے آیا ہوں۔"

لڑکی نے ان پیسوں کو دیکھا' پھر ایک طرف منہ کرکے نفرت سے تھوک دیا۔ اس کی گونگی ادائیں کہہ رہی تھیں۔ "میں تھوکتی ہوں ان پیسوں پر جاؤ چلے جاؤ۔ بھاگ جاؤ یہاں سے....."

اجنبی نے انکار میں سرہلادیا اور دس روپے کے نوٹ کو کھڑکی کے شیشے پر مارنے لگا۔ یہ اشارہ تھا کہ میں انہیں واپس کرکے ہی جاؤں گا۔ کھڑکی کھولو!

وہ کھڑکی نہیں کھول رہی تھی۔ شیشوں کے آرپار دونوں گونگے مکالمے ادا کر رہے تھے۔ وہ غصہ دکھا رہی تھی۔ اجنبی کو بھی غصہ آرہا تھا۔ اس نے مکا دکھا کر کہا۔ "میں شیشے کو توڑ دوں گا۔"

لڑکی نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "بڑا آیا مکا مارنے والا۔" اس نے ہاتھ کو اونچا کیا۔ "اتنا اونچا قد ہے۔" دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا۔ "اتنا موٹا آدمی ہے۔" پھر خیالی تاش کے پتے پھینکتے ہوئے بولی۔ "اور نوسربازی کرتا ہے۔ لعنت ہے۔" اس نے پانچوں انگلیاں دکھائیں۔ پھر تنبیہہ کے لئے انگلی اٹھائی اور چیخنے کے انداز میں منہ کھول کر بتایا۔ "چلے جاؤ یہاں سے' ورنہ شور مچاؤں گی۔"

پھر اس نے پردوں کو کھینچ دیا اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ وہ دانت پیستے ہوئے ویران کھڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ چاہتا تو ایک مکے سے کھڑکی کے شیشے توڑ دیتا اور دس روپے ستر پیسے کمرے کے اندر پھینک کر چلا جاتا لیکن اس بات کا اندیشہ تھا کہ رات کے سناٹے میں شیشے ٹوٹنے کی آواز دور تک پھیلے گی۔ آس پاس کے مکانوں والے جاگ جائیں گے اور اسے چور سمجھ کر شور مچائیں گے۔ نائٹ چوکیدار بھی کہیں قریب ہی گشت کر رہا ہوگا لہٰذا وہاں سے بھاگنا محال ہو جائے گا۔

اس نے دس روپے ستر پیسے کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

"میں ایمانداری سے پیسے واپس کرنے آیا ہوں اور یہ سالی نخرے دکھاتی ہے۔ نہیں لے گی تو جہنم میں جائے۔ میرا فرض پورا ہوگیا۔ اب یہ پیسے میرے لئے حلال ہوگئے ہیں۔"

اس نے دل کو تسلی دی اور مٹھی باندھ کر جانے لگا مگر وہ مٹھی بھاری لگ رہی تھی۔ پیسے کانٹوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ لڑکی پیسوں کے لئے غصہ نہیں دکھا رہی تھی۔ پیسوں کا غم ہوتا تو کھڑکی کھول کر اپنے پیسے واپس لے لیتی۔ دراصل اس نے جو زیادتی کی تھی اور بے حسی اور بے مروتی کا ثبوت دیا تھا' اس کے ان ہی رویوں سے ناراض ہوگئی تھی۔

اجنبی کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں آگیا کہ وہ پیسے اس پر حلال نہیں ہوئے ہیں۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پلٹ کر دور کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

کھڑکی کے شیشوں سے روشنی باہر آرہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پردے سرک گئے ہیں۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ادھر جانے لگا۔ کھڑکی کے پٹ اسی طرح بند تھے' صرف پردے سرک گئے تھے۔ اجنبی اندھیرے میں رک گیا۔ گلی میں جہاں تک روشنی تھی' وہاں تک نہیں گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ کھڑکی کھولے گی تو میں آگے بڑھ کر پیسے واپس کردوں گا۔

لیکن وہ کھڑکی کی چوکھٹ سے سر ٹیکے بڑے ہی شکست خوردہ انداز میں کھڑی تھی اور حسرت سے اندھیری گلی کو تک رہی تھی۔ اجنبی دیوار سے لگا ہوا دبے قدموں سے ذرا اور قریب گیا۔ پھر یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ وہ رو رہی تھی۔

وہ رو رہی تھی۔ آنکھیں اندھیرے میں کسی کے نقشِ قدم کو تلاش کر رہی تھیں اور اس کے رسیلے ہونٹ ایک ذرا سے یوں کھل گئے تھے جیسے دل سے نکلنے والی آہ ہونٹوں کی دہلیز پر ٹھٹک گئی ہو۔

اجنبی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ عورت اندر سے خالی ہو کر کس طرح روتی ہے۔ اس کی کھوپڑی میں پھر یہی بات آئی کہ پرس خالی ہوگیا ہے۔ وہ جلدی سے سامنے آگیا۔

لڑکی یوں چونکی جیسے خواب کی تعبیر سامنے آگئی ہو۔ جتنا غصہ دکھانا تھا' وہ دکھا چکی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم سے کھل گیا۔ آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بھری برسات میں

دھوپ نکل آئی ہو۔

اجنبی کو وہ اتنی اچھی لگی۔ اتنی اچھی لگی کہ اس نے بھی بتیسی نکال دی۔ اس کے مسکرانے کا یہ انداز دیکھ کر لڑکی کو ہنسی آگئی۔ وہ اپنی زلفوں کو جھٹک کر ہنسنے لگی۔ ٹھیک ایسے ہی وقت اجنبی نے اپنی عقلمندی کا ثبوت دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دس روپے کا نوٹ کھول کر کھڑکی کی جانب بڑھادیا۔

وہ نوٹ نہیں تھا' ایک طمانچہ تھا۔

اس دریچے کے باہر خواب کی تعبیر نہیں آئی تھی' ایک قرضدار اپنا قرض لوٹانے آیا تھا۔ اس کی ہنسی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ ایک لمحہ حیرت کا تھا' دوسرا نفرت کا۔ غصے کا۔ جھنجلاہٹ کا۔ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر اجنبی کو یوں دیکھا جیسے اس کی گردن دبوچ لے گی لیکن ان کے درمیان شیشے کی دیوار تھی۔ وہ اندر ہی اندر تلملا رہی تھی۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے پردے کو کھینچ دیا۔

اب وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ اجنبی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہوگیا؟ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جہاں پیار ہوتا ہے' وہاں پیسوں کی گنتی نہیں ہوتی اور جہاں پیسہ ہوتا ہے وہاں وہ قینچی کی طرح پیار کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔

اس نے شیشے پر دستک دی مگر دل کا شیشہ تڑخ گیا تھا۔ پردے میں جنبش نہ ہوئی۔ دوسری بار دستک دی۔ کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس نے مایوسی سے کہا۔

"عجیب لڑکی ہے۔ ہنستی بھی ہے اور غصہ بھی دکھاتی ہے۔ روتی بھی ہے اور پیسے بھی نہیں لیتی۔ میں کیا کروں؟"

وہ مایوس ہو کر جانے لگا۔ مکان کے آخری سرے پر پہنچ کر وہ رک گیا اور انتظار کرنے لگا کہ شاید پھر پردہ ہٹے گا مگر کافی دیر تک نگاہیں جمائے رکھنے کے باوجود کھڑکی روشن نہ ہوئی۔ وہ سر جھکا کر جانے لگا۔

مٹھی میں پیسے تھے۔ پیسوں میں لڑکی کے آنسو تھے اور وہ آنسوؤں کا بوجھ اٹھائے جارہا تھا۔

ں گالی دی۔ نہ جانے ایک ایماندار
خا۔ وہ انکار نہ کرسکا کہ وہ اس کے
تھے اس نے جبراً مسکرا کر کہا۔
ئی ہو رہی ہے کہ اتنے بڑے شہر میں
اری سے خوش ہو کر آپ کو یہ دس

کام نہیں کیا ہے۔ میرے پاس اللہ کا

کھے اور خدا حافظ کہتا ہوا سامنے والی

۔ پھر اپنے راستے پر چلنے لگا۔ لڑکی پھر
گھوم رہی تھی۔ اپنے سبک ہاتھوں کو
نچا قد ہے' اتنا موٹا آدمی ہے اور

ریاز کہنے والی۔ خود ہی نو سرباز ہے۔
ہے' جس طرح میں پتے کھیلنے سے پہلے
میں پتے کا ایک کونہ موڑتا ہوں اور
ں گھوم پھر کر اسی موڑ پر آجاتا ہوں۔
یہ مجھے ڈنک مار رہے ہیں۔ میں انہیں

چ کر رک گیا کہ کوئی اسے دیکھتا نہ ہو
جائے۔ اس نے چاروں طرف گھوم
دور تک سناٹا تھا۔ اس بات کا اندیشہ

ہے اور میری خاطر عورت پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر تہذیب کی ننگی چھاتی پر
ں کسی بھی انسانی ہاتھ کے کاؤنٹر پر کیش ہو جاتا ہوں لیکن آج نہیں ہو سکتا
ے کاغذی بدن سے ایک سیمیں بدن کا پسینہ مہک رہا ہے۔ اگر میں رشتے
جوڑتا بھی ہوں مجھے سمجھو میں صرف محبت کے کاؤنٹر پر کیش ہو سکتا
..اور اگر میں کیش نہ ہوا تو انسانوں کی دنیا میں پہلی بار کاغذ کا ایک فضول
رہ جاؤں گا....."

س پھڑپھڑاتے ہوئے نوٹ کو سن رہا تھا اور خاموشی سے کتے کو دیکھ رہا
ے میں کتے کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اب وہ آنکھیں اجنبی سے کہہ

یک کتا ہوں۔ جس تھالی میں ایک بار کھاتا ہوں اس گھر کے مالک کو نہیں
نے جس گھر میں کھایا' اس گھر والی کو لوٹ کر چلے آئے۔ تعجب ہے ایسے
کتوں سے تہذیب کیوں نہیں سیکھتا؟ اچھی باتیں سیکھنے کے لئے شرمانا نہیں

ں کی حِس بہت تیز ہے۔ ہم صرف مجرموں کی بو سونگھتے ہوئے ان کا پیچھا
یار کی خوشبو کو پہچان کر بھی تم جیسے بے حِس انسانوں کا محاسبہ کرتے ہیں۔
ت ناقابل یقین ہے تو یقین نہ کرو' صرف اتنا سمجھ لو کہ قدرت کی خوش
ے کتے کو نامہ بر بنا دیا ہے۔ اس نامے کو ہاتھ میں لو اور کسی لڑکی کے
ھو....."

ے آنسو کی بوند دل کے صحرا میں نہیں ٹپکتی' اس وقت تک احساسات
اجنبی اندر سے جاگ رہا تھا لیکن اس بیداری سے محض اس لئے ہچکچا رہا
ے اسے کسی رشتے کی محبت نہیں ملی تھی اور نہ ہی اس نے کبھی کسی سے
ڑنے کے متعلق سوچا تھا۔ اپنے والدین کی موت کے بعد بچپن ہی سے
م محبتوں اور نفرتوں سے کٹ گیا تھا۔ اس کے حالات نے اسے اب تک

دیکھتا رہا۔ پھر لڑکی ان سے کترا کر سڑک سے گذرنے کے لئے فٹ پاتھ سے اتر گئی۔ اجنبی بھی دس کا نوٹ بلندی پر لہراتا ہوا سڑک پر آگیا۔ نوٹ کے ساتھ ساتھ تمام بھکاری بھی اِدھر سے اُدھر ہو گئے۔ پھر اسی طرح لڑکی کا راستہ رک گیا۔ وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی۔

"یہ کیا مداریوں کا تماشہ کر رہے ہو' مجھے جانے دو۔"

"تمہارے پاس ایک ایک کے دس نوٹ ہیں؟ ابھی جانے کا راستہ مل جائے گا۔"

"نہیں ہیں میرے پاس۔ جو کچھ تھا تم چھین کر لے گئے۔ اب مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

وہ بھکاریوں کو ہٹاتی ہوئی راستہ بناتی ہوئی گذر گئی۔ اجنبی بھی اس کے پیچھے جانے لگا تو تمام بھکاری بھی آوازیں لگاتے ہوئے پیچھے پڑ گئے۔ وہ رک گیا۔ اپنی اور لڑکی کی ملاقات کو وہ تماشہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

"دیکھو' میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں۔ تم آپس میں یہ دس روپے بانٹ لو۔"

یہ کہہ کر اس نے دس کا نوٹ ہوا میں اچھال دیا۔ نوٹ اڑنے لگا۔ بھکاری اس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ لڑکی بھی بھیڑ میں آڑی جا رہی تھی۔ اجنبی اس کٹی پتنگ کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ کبھی قریب آتا تھا' کبھی لوگوں کے ریلے میں بہہ کر دور چلا جاتا تھا۔ صدر کا چوک پار کرنے تک وہ اسی طرح قریب ہوتا رہا اور بچھڑتا رہا۔ لڑکی نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے چلنے کا محتاط انداز بتا رہا تھا کہ وہ اپنے پیچھے اسے محسوس کرتی جا رہی ہے۔

جب وہ ویران سے فٹ پاتھ پر چلنے لگے تو اجنبی دوڑتا ہوا اس کے پاس آگیا اور ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا تم اب تک ناراض ہو؟ دیکھو' میں نے آج تک کسی لڑکی سے محبت نہیں کی۔ اسی لئے تمہاری ناراضگی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں تمہارے دس روپے ستر پیسے

اس آسرے میں تھے کہ کوئی آگے بڑھ کر اس دیو کو روکے گا تو ہم بھی اس کا ساتھ دیں گے مگر کوئی پہلے نہیں گیا۔ سب پیچھے رہے۔ اتنے میں لڑکی دونوں بوڑھیوں کے سہارے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے دور جاتے ہوئے اجنبی کو دیکھا تو ایک بوڑھی نے پوچھا۔

"کیا وہ تمہارا خاوند ہے؟"

لڑکی نے سوچا' کیا جواب دے؟ وہ ایسا ویسا مرد نہیں تھا صرف تنہائی میں رعب نہیں جماتا تھا' سربازار اپنا حق جتاتا تھا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس نے خاموشی سے سر جھکالیا۔ پھر بوجھل سے قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے جانے لگی۔

اجنبی خاموشی سے چلا جارہا تھا۔ وہ بظاہر خاموش مگر اندر سے بے چین تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار لڑکی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ طمانچہ کھانے کے بعد وہ کیسے سرخ ہوگئی تھی۔ ننھی بچی کی طرح سہم گئی تھی۔ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دیدے یوں پھیل گئے تھے جیسے کچھ نظر نہ آرہا ہو۔ آہ! یہ کیسے ہوگیا؟ یہ ہاتھ اس پر کیسے اٹھ گیا؟ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ مرد تنہائی میں شیر ہوتے ہیں اور وہ اپنی مردانگی دکھانے کے لئے بیچ بازار میں ایک حماقت کر بیٹھا۔ یہ تو کوئی مردانگی نہیں ہے۔ مرد تو اسے کہتے ہیں جو اپنے ہم پلہ مرد سے مقابلہ کرتا ہے۔ دراصل مردانگی ثابت کرتے وقت اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اب اس کے دل کی بے چینی اور ندامت کا احساس اسی طرح دور ہوسکتا تھا کہ وہ کسی گبرو جوان کا مقابلہ کرتا۔

وہ چلتے چلتے ایک ہٹے کٹے آدمی سے ٹکرا گیا۔ پھر فوراً ہی پینترا بدل کر مقابلے کے لئے ڈٹ گیا۔ اس آدمی نے اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا بھائی' میں غلطی سے ٹکرا گیا تھا۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اجنبی حقارت سے اسے دیکھنے لگا۔ دل کی بے چینی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر تلملا رہا تھا۔ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس سے ٹکرائے؟ وہ بھیڑ میں دندناتا ہوا گھس گیا اور لوگوں کو اِدھر اُدھر دھکے دیتا ہوا' راستہ

وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کوئی کام کا مرد نظر نہیں آیا۔ فریئر مارکیٹ کا وہ حصہ اکثر ویران ہی رہتا تھا۔ دکانیں بند رہتی تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی برائے نام تھی۔ وہ مایوس ہو کر آگے بڑھ گیا۔ اسی وقت دکان کے دوسری طرف سے وہ تینوں بدمعاش باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ اجنبی کو دیکھتے ہی ایک نے خوشی سے اچھل کر کہا۔

"جیو استاد۔ ابھی ہم تمہاری باتیں کر رہے تھے۔ اب تو اندھیرا ہو چلا ہے۔ چلو کمرے میں بازی جمائیں گے۔"

وہ کہتا ہوا آگے بڑھا مگر قریب پہنچتے ہی اجنبی کا ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ اچھل کر پیچھے اپنے ساتھیوں کے قدموں میں آگرا۔ اس کے دونوں ساتھی بھنا گئے۔ دونوں نے ایک ساتھ اس پر چھلانگ لگائی اس نے ایک کو ایک ہاتھ سے روکا' دوسرے کے سر پر اتنے زور کی تھاپ لگائی کہ وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا۔ جسے ایک ہاتھ سے روکا تھا' وہ ہوا میں گھونسے چلا رہا تھا مگر اجنبی کے ہاتھ اتنے لمبے تھے کہ دشمن کے گھونسے اس تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ اس نے پاؤں سے ٹھوکریں مارنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹھوکریں بھی خالی گئیں۔ اجنبی اسے ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ساتھیوں کی مرمت کر رہا تھا۔ جب وہ اچھی طرح مار کھا کر لمبے لیٹ گئے تو اس نے تیسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ تیسرا شخص عورتوں سے بھی گیا گزرا ثابت ہوا۔ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھتے ہی رونے لگا' دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگھیانے لگا۔ اجنبی نے اسے پرے دھتکار دیا۔ پھر اک شانِ بے نیازی سے چلتا ہوا فریئر مارکیٹ سے باہر آگیا۔

بہت دور تک فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے خود کو سمجھاتا رہا کہ اس نے مردانگی ثابت کر دی ہے' اب دماغ کا بوجھ ہلکا ہونا چاہئے۔ دل کی بے چینی دور ہونی چاہئے لیکن نہیں' پھر بھی کچھ باقی رہ گیا تھا۔ کوئی اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا۔ اس کے سر پر اور اس کے کاندھوں پر ایسا بوجھ تھا جیسے وہ خود اپنی لاش اٹھائے جا رہا

ہو۔ چشم تصور میں پھر وہی صورت گھوم رہی تھی۔ طمانچہ کھانے کے بعد اس کا بایاں رخسار انگارے کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ وہ سہمی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دیدے یوں پھیل گئے تھے جیسے آنکھیں بے نور ہو گئی ہوں۔

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے ندامت کی شدت سے تھپڑ مارنے والے ہاتھ کو اٹھایا اور سامنے الیکٹرک پول کو ایک زور کا طمانچہ رسید کر دیا بجلی کا آہنی کھمبا جھنجھلاہٹ کی دھیمی آواز سے بجنے لگا۔ اس کی ہتھیلی کو بھی ایسی چوٹ پہنچی جو عام حالات میں ناقابلِ برداشت ہوتی لیکن وہ برداشت کر گیا۔ اس کی تسلی نہ ہوئی۔ دل کہہ رہا تھا کہ لڑکی کو اس سے زیادہ چوٹ پہنچی ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو اس کے ہاتھ میں ایک موم بتی اور ایک ماچس کی ڈبیہ تھی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ کمرے کے وسط میں آکر فرش پر دو زانو ہو گیا جیسے عبادت کرنے کا ارادہ ہو۔ پھر اس نے موم بتی جلا کر فرش پر کھڑی کر دی۔ اس کے بعد اس نے تھپڑ مارنے والے ہاتھ کی ہتھیلی کو زور سے فرش پر مار کر کہا۔

"بول اُلّو کے پٹھے' تُو نے اسے کیوں مارا تھا؟ تُو سمجھتا تھا کہ میں تجھے اس لئے چھوڑ دوں گا کہ تُو میرا ہاتھ ہے؟ ارے اس سزا کے بعد بھی اس نے تجھے معاف نہ کیا تو میں تجھے کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی ہتھیلی کو شمع کی جلتی ہوئی لو پر رکھ دیا۔ ننھی سی لو نے ہتھیلی کو چھو لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس آگ کی جلن سارے جسم میں پھیلنے لگی۔ وہ خود کو سمجھانے لگا۔

"یہ جلن کچھ نہیں ہے اس ہتھیلی سے زیادہ اس بے چاری کا دل جل رہا ہو گا۔ سالے کبھی تیرے باپ نے بھی محبت کی تھی۔ میں تجھے جلا کر راکھ کر دوں گا۔"

ہتھیلی جلتی رہی' دماغ جلتا رہا۔ بدن کی رگ رگ میں موم بتی کی آگ بہتی رہی۔ اس دنیا میں جو سب سے زیادہ لرزہ خیز اور دہشت انگیز عذاب ہے' وہ آگ ہے۔ اسی

لئے انسان کو ازل سے جہنم کی آگ سے ڈرایا جاتا ہے اور قیامت تک ڈرایا جاتا رہے گا۔ لہٰذا آگ کیسے جلاتی ہے' یہ ہر انسان جانتا ہے' اور اجنبی بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ لڑکی کو تکلیف پہنچانے کے جرم میں جہنم کی آگ سے کھیل رہا ہے۔

وہ جلن ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ دانت پر دانت جمائے برداشت کر رہا تھا۔ ایک بار اس کی ہتھیلی بے اختیار شمع کی لو سے ہٹ گئی۔ اس نے فوراً ہی دوسرے ہاتھ سے اسے پکڑ کر پھر آگ پر رکھ دیا۔

"سالے کہاں بھاگتا ہے۔ میں تجھے اتنی سزا دوں گا اتنی سزا دوں گا کہ پھر کبھی میری محبت کو طمانچہ نہیں مارے گا۔"

وہ لفظوں کو بڑی مشکل سے ادا کر رہا تھا۔ آواز کانپ رہی تھی۔ زبان خشک ہو رہی تھی۔ پانی۔ پانی۔ پانی۔ نہیں' تجھے پانی بھی نہیں ملے گا۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا رہا تھا اور بڑے کرب سے کراہتا ہوا سجدے میں جھکتا جا رہا تھا۔

وہ نڈھال سا ہو کر فرش پر لیٹ گیا۔ لیٹنے کے دوران وہ ہتھیلی پھر آگ پر سے ہٹ گئی۔ اس نے اپنے ظالم ہاتھ کو گالی دینا چاہی مگر حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا اس اندھیرے میں لڑکی کا چہرہ شمع کی لَو کی طرح سلگ رہا تھا۔ وہ ایک چہرہ تھا مگر کئی جگہ روشن تھا۔ وہ ہر سلگتے ہوئے چہرے پر اس ہتھیلی کو رکھ رہا تھا لیکن جلتی ہوئی لَو تک اس کی ہتھیلی نہیں پہنچ رہی تھی' اِدھر سے اُدھر بھٹک رہی تھی۔ پھر وہ ٹھیک آگ پر گر پڑی۔ آگ بجھ گئی۔ کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ اس تاریکی میں وہ زخمی درندے کی طرح غرا رہا تھا اور نیم بے ہوشی کی حالت میں کراہ رہا تھا۔

☆------☆------☆

وہ مکان کے دروازے پر پہنچی تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ طمانچہ کھائے ہوئے رخسار کی سوجن کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ سیدھی کمرے میں آئی اور دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے سب سے پہلے لائٹ آن کر کے سنگھار میز کے آئینے کے سامنے پہنچی۔ عورت ہر ناگہانی حادثے کے بعد سب سے پہلے اپنے چہرے کو ٹٹول کر دیکھتی ہے کیونکہ مرد چہرے کا سائن بورڈ پہلے پڑھتا ہے' پھر دکان کا باقی مال دیکھتا ہے۔

آئینے میں اس کا چہرہ بدلا ہوا نظر آیا۔ ایک طرف کا گال پھول گیا تھا اور اس طرف کی ایک آنکھ اندر کو دھنسی ہوئی تھی۔ اپنا یہ حلیہ دیکھ کر وہ بے اختیار رونے لگی۔ اجنبی کو کوسنے اور گالیاں دینے لگی۔ پھر وہ پلنگ پر آ کر گر پڑی۔ اسے کوئی سینے سے لگا کر تسلی دینے والا نہ تھا۔ اس لئے وہ تکیے کو سینے سے لگا کر روتی رہی۔

آخر وہ کب تک آنسو بہا سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آنسوؤں کا سیلاب تھمنے لگا۔ وہ پھر پلنگ سے اٹھ کر آئینے کے سامنے آ گئی اور سوچنے لگی کہ یہ سوجن کیسے دور کی جائے۔ اس رخسار پر ظالم کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اپنے چہرے پر یہ نشانات سجائے وہ کل صبح ڈیوٹی پر نہیں جا سکتی تھی مگر جانا بھی ضروری تھا کیونکہ تنخواہ ملنے والی تھی۔ اس کے پرس میں صرف دو چار روپے رہ گئے تھے لہٰذا کل وہ گھر میں قید رہ کر ان نشانات کے مٹنے کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

کچھ سوچ کر وہ لکھنے کی میز کے پاس آئی۔ میز کے نیچے کچھ کتابیں اور خواتین کے

رسالے ترتیب سے ایک انبار کی صورت میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ محض دلچسپ کہانیاں پڑھنے کے لئے ہر ماہ وہ رسالہ خریدا کرتی تھی۔ اب اسے خیال آیا کہ وہ "رسالہ" اس کی ذہنی الجھنیں بھی دور کرسکتا ہے اور چہرے کے داغ دھبے مٹانے کی تدبیریں بھی بتا سکتا ہے۔ وہ یکے بعد دیگرے تمام رسالوں کی ورق گردانی کرنے لگی۔ کتنے ہی اوراق میں کتنے ہی نسخے تھے۔ چہرے کی سوجن بھی دور ہوسکتی تھی۔ انگلیوں کے نشانات بھی مٹائے جاسکتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے کچھ کریموں' لوشنوں اور دواؤں کی ضرورت تھی اور اس کے پرس میں پیسے نہیں تھے۔ پھر یہ کہ ان دواؤں کو ہاون دستے میں کوٹنا تھا کسی کو روغن میں حل کرنا تھا' کسی کو پانی میں جوش دینا تھا اور کسی کو سل پر پیسنا تھا۔

وہ کسی ایسے نسخے پر عمل نہ کرسکی جو دردِ سر بن جاتا یا جس میں پیسے خرچ ہوتے۔ آسان نسخے کے مطابق وہ گرم پانی میں کپڑے کو بھگو کر اپنے رخسار کو سینکتی رہی۔ اس کے بعد وہ چہرے کے متاثرہ حصوں پر کولڈ کریم کی لیپ چڑھا کر بستر پر آگئی۔ رات کا کھانا کھانے کی سکت نہیں تھی۔ رخسار کی ہڈی دکھ رہی تھی اور نچلی داڑھ ہلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

بستر پر لیٹتے ہی تھکن غالب آگئی۔ پتہ نہیں وہ کیسا طمانچہ تھا جو اب اسے تھپک تھپک کر سلا رہا تھا۔ غنودگی کے عالم میں اس کے ذہن نے سوچا کہ آج سے تقریباً نو دس برس پہلے اس کی ماں نے اسے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ اس لئے کہ کوئی رشتہ تھا۔ کوئی محبت تھی جو مارنے کا بھی حق رکھتی ہے۔ آج برسوں کے بعد اجنبی نے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ اس لئے کہ اس نے بھی کسی رشتے کا اظہار کیا تھا اسے یاد ہے' وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارا محافظ ہوں۔ میں تمہیں مار سکتا ہوں' میں ہی تمہیں پیار کرسکتا ہوں کسی سالے نے تمہیں پیار سے دیکھا تو میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا.....

اس ظالم کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ میں پیار کا بے پناہ اظہار تھا۔ وہ اسے اپنا سمجھ رہا تھا' اس پر اپنا صرف اپنا حق جتا رہا تھا اور اس کی مرضی معلوم کئے بغیر

اس کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر رہا تھا۔ وہ سوچتے سوچتے سوگئی۔

صبح دودھ والے کی آواز نے اسے جگایا اس نے دروازہ کھول کر دودھ لیتے وقت اپنے چہرے کو اس زاویے پر رکھا کہ دودھ والے کو اس کا متاثرہ رخسار نظر نہ آئے۔ اس کے بعد اس نے دروازے کو بند کیا' دودھ کو چولہے پر چڑھایا' پھر غسل خانے میں چلی گئی۔ وہاں سے واپس آکر اس نے دودھ میں دلیا پکایا۔ جبڑوں کی تکلیف کم ہوگئی تھی' پھر بھی چبانے کی بجائے نگل جانے والی غذا مفید تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر اس نے لباس تبدیل کیا' کنگھی کی۔ پھر ابٹن کو تھوڑے سے پانی میں گھول کر اپنے رخسار پر لیپ چڑھائی۔ اس طرح انگلیوں کے نشانات چھپ گئے لیکن اس طرح وہ کارٹون نظر آرہی تھی۔ چہرے کے اس عیب کو چھپانے کے لئے برقعہ پہننا ضروری تھا۔ پلنگ کے نیچے صندوق کے اندر جو کباڑ جمع ہوگیا تھا اس میں ایک برقعہ بھی تھا۔ اس نے وہ برقعہ نکال کر اس پر استری چلائی۔ اس کے کس بل نکالے اور اسے پہن کر آئینے کے سامنے آگئی۔ وہ برقعے میں چھپ گئی تھی۔ چہرے کے تمام عیب بھی چھپ گئے تھے۔ صرف دو آنکھیں اور نصف پیشانی نظر آرہی تھی۔

وہ مطمئن ہوکر باہر آگئی۔ باہر سے دروازے کو لاک کرتے وقت مکان مالکہ نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے قریب آکر حیرت سے پوچھا۔

"یہ تم ہو؟ میں سمجھی نہ جانے کون برقعے والی تمہارے دروازے پر کھڑی ہے۔ یہ تم نے برقعہ اوڑھنا کب سے شروع کیا ہے؟"

"جی۔ بس۔ آج ہی سے....."

وہ پیچھا چھڑا کر جانا چاہتی تھی۔ مکان کی مالکہ نے اس کے بازو کو تھام کر کہا۔

"ٹھہرو۔ یہ تمہاری آنکھ میں ورم کیسے آگیا؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟"

"جی کچھ نہیں۔ رات کو میں فرش پر سوئی تھی' کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔"

"ہوں!" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ "اسی لئے تم نے چہرے کے باقی حصے کو چھپا لیا ہے؟"

"جی۔ جی ہاں!"

وہ ایک گہری سانس لے کر افسوس کا اظہار کرنے لگی۔

"میری جتنی کرائے دار لڑکیاں ہیں' ان کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔ کیڑے رات کو آتے ہیں اور صبح نشانات چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔"

وہ جلدی سے اپنا بازو چھڑا کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی مکان سے باہر آگئی۔ وہ مکان کی مالکہ سے یہ نہ کہہ سکی کہ وہ غلط سوچ رہی ہے۔ پچھلی رات اس کے کمرے میں کوئی نہیں آیا تھا۔ اس نے اقرار نہیں کیا' اس نے انکار بھی نہیں کیا۔ اس کی خاموشی اقرار بن گئی تھی۔ نہ جانے کیوں مکان کی مالکہ نے جو کچھ کہا تھا' اسے اچھا لگا۔ بہت اچھا لگا۔ اس الزام سے یہ ثابت ہو گیا کہ اب وہ اس دنیا میں تنہا نہیں ہے۔ کوئی اسے کاٹنے والا بھی ہے۔

وہ اپنے کارخانے کے قریب پہنچی تو وہاں دروازے کے قریب اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب تھے۔ لڑکی کو دیکھتے ہی اس نے ندامت سے سر جھکا لیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گئی تھی۔ اس کی موجودگی بتا رہی تھی کہ وہ کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ بھی کب یہ چاہتی تھی کہ وہ اسے چھوڑ دے اور منہ موڑ کر چلا جائے مگر اس نے جو زیادتی کی تھی' اس کے ردِ عمل میں ناراضگی ظاہر کرنا ضروری تھا۔ مرد سے جب تک اچھی طرح خوشامدیں نہ کراؤ' اس وقت تک اسے اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ دنیا کی کوئی عورت خوشامد کے پہلے مرحلے میں راضی نہیں ہوتی' پھر وہ کیسے راضی ہو جاتی اس لئے پاؤں پٹخ کر ٹہلتی ہوئی' اس کے سامنے سے گذرتی ہوئی کارخانے کے اندر چلی گئی۔

کارخانے کی سب ہی عورتوں نے اس کے برقعے کو حیرانی سے دیکھا اور حیرانی سے سوال کیا۔ اس نے وہی ایک جواب دیا کہ رات کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ عورتوں سے کیا پردہ ہو سکتا ہے؟ اس نے نقاب ہٹا کر اپنا چہرہ دکھایا۔ ابٹن کی لیپ نے انگلیوں کے نشانات چھپا دیئے تھے' پھر بھی عورتوں نے اپنے اپنے طور پر کہانیاں گھڑ

لیں۔ سب ہی اس کی پیٹھ پیچھے چٹخارے لے لے کر سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کیڑے نے کاٹنے سے پہلے اچھی جگہ چن لی تھی۔

وہ سرگوشیاں لڑکی کے کانوں تک پہنچتی رہیں اور اسے یاد آتا رہا کہ باہر کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اگر ان عورتوں نے اسے دیکھ لیا تو انہیں اس کیڑے کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اس نے باس کے پاس آکر کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' مجھے دو دن کی چھٹی دے دیجئے۔ میں ابھی ڈاکٹر کے پاس جاؤں گی۔"

باس نے میز کی دراز کھول کر اس کی تنخواہ کے ساڑھے پانچ سو روپے گنے اور اس کے آگے وہ روپے رکھتے ہوئے بولا۔

"بے بی! تم بہت اچھی ہو۔ تم نے گارمنٹس کی دنیا میں اتنے خوبصورت ڈیزائن دیئے ہیں جو کبھی فراموش نہیں کئے جاسکتے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی وجہ سے تباہ ہو جاؤ۔ تم میرا ایک مشورہ مانو گی؟"

"فرمایئے۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ آپ کی بات ضرور مانوں گی۔"

اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔

"بے بی! پتہ نہیں کیوں آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم جوان ہو گئی ہو۔ تم میری بیٹی جیسی ہو اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہارے چہرے پر ابٹن کیا کہہ رہا ہے۔ بہرحال میرا مشورہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے شادی کر لو۔ اس سلسلے میں پیسوں کی فکر نہ کرو۔ جتنا ایڈوانس مانگو گی' میں دے دوں گا۔"

وہ چپ چاپ اپنی تنخواہ لے کر اٹھ گئی۔ لڑکیاں ایسی باتوں کا جواب نہیں دیتیں۔ خاموشی نیم رضامندی کے مصداق وہ باہر آگئی۔ دروازے پر وہ نظر نہیں آیا۔ جہاں وہ پہلے نظر آیا تھا وہ جگہ خالی تھی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا اسے یوں لگا جیسے اس کی سب سے اہم چیز کہیں کھو گئی ہے۔

وہ دروازے سے نکل کر فٹ پاتھ پر آئی۔ اس کی نگاہیں اسے ڈھونڈ رہی

تھیں۔ پھر وہ لکی اسٹار کے سامنے نظر آگیا۔ وہ سڑک پار کر کے اس کی طرف آنا چاہتا تھا۔ ٹریفک کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے پلٹ کر جانے لگی۔ اب اسے اطمینان تھا کہ وہ اس کا پیچھا کرے گا' ذرا دور جانے کے بعد اس نے گھوم کر دیکھا' پھر ایک گلی میں مڑ گئی۔ وہاں اکے دکے راہگیر نظر آرہے تھے گلی تقریباً ویران تھی۔ آگے جا کر اس گلی کی دو شاخیں نکلتی تھیں۔ دائیں طرف کی شاخ سے اچانک ہی اجنبی آتا ہوا نظر آیا۔ لڑکی اس سے کترا کر نکل جانا چاہتی تھی لیکن وہ تیزی سے قریب آیا اور اس کا راستہ روکنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ جاتی مگر اس کی بھاری بھرکم سیاہی مائل ہتھیلی دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ہتھیلی پر بڑے بڑے آبلے پڑے ہوئے تھے۔ ایک آدھ چھالا پھوٹ گیا تھا اور ان میں سے لیسدار پانی بہہ رہا تھا۔

اجنبی نے بڑی آہستگی سے کہا۔

"اس ہاتھ کو اس سے بھی بڑی سزا ملنی چاہئے۔ اگر تم اب بھی ناراض رہو گی تو میں اس ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

اس نے فوراً ہی دونوں ہاتھوں سے اس کی زخمی ہتھیلی کو تھام لیا۔

تھوڑی دیر کے لئے ساری دنیا آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ صرف وہ ہتھیلی سامنے رہ گئی۔ وہ زخم اور وہ رستے ہوئے آبلے بتا رہے تھے کہ وہ کس طرح دیوانہ وار اسے چاہتا ہے اور پروانہ وار اس کے لئے جل جاتا ہے۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ اس ہتھیلی کو اپنے کلیجے میں چھپا لے' یا اس ہتھیلی کو اپنے سر پر سجا لے اور ساری دنیا کو دکھا دے کہ ملکہ برطانیہ کے تاج کا کوہ نور بھی اس طرح نہ جگمگاتا ہو گا جس طرح اس کی محبت جگمگا رہی ہے۔

بہت دیر تک وہ چپ کھڑی سوچتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اپنے دیوانے کو خراجِ عقیدت پیش کرے۔ کیا وہ اس ہتھیلی کو فرطِ عقیدت سے چوم لے؟ مگر وہ سرِ راہ اسے نہیں چوم سکتی تھی۔ تہذیب مانع تھی۔ اسے سینے سے بھی نہیں لگا سکتی تھی۔ اس کے زخموں پر آنسو بھی نہیں بہا سکتی تھی کبھی کبھی تہذیب بڑی

ظالم بن جاتی ہے۔ جو آنسو بھری مسرتیں سرِ راہ ملتی ہیں' انہیں گلے لگانے کی اجازت نہیں دیتی۔

وہ آنسو نہ بہا سکی مگر فرطِ محبت سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اتنا اونچا تھا کہ اسے دیکھنے کے لئے سر اٹھانا پڑتا تھا اور اس وقت تو وہ بہت ہی بلند ہو گیا تھا اس کے حواس پر چھایا جا رہا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم مجھے اور مارتے' خوب مارتے مگر ہتھیلی کیوں جلائی؟ تم نے خود کو سزا دے کر مجھے کتنی بڑی سزا دی ہے۔ یہ تم نہیں جانتے' جہاں جہاں تمہاری ہتھیلی پر آبلے پڑے ہیں' وہاں وہاں میرے دل پر چھالے پڑ گئے ہیں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو ضبط کا بندھن توڑ کر نکل رہے تھے۔ اجنبی نے پوچھا۔

"آج تم نے برقعہ کیوں پہنا ہے؟ تمہارا چہرہ نقاب کے پیچھے چھپا ہوا ہے مگر میں سمجھ گیا کہ اس ظالم ہاتھ نے تمہارا چہرہ بگاڑ دیا ہے میں اس ہاتھ کو پھر سزا دوں گا۔"

"نہیں!" وہ اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر بولی۔ "اب تم نے حماقت کی تو میں تم سے نہیں بولوں گی' تم سے دور چلی جاؤں گی کہیں جا کے مر جاؤں گی۔ بولو میں چلی جاؤں؟"

"نہیں!"

"تو پھر ڈاکٹر کے پاس چلو' میں ہتھیلی کا علاج کراؤں گی۔"

"میں تمہارے چہرے کا علاج کراؤں گا۔"

"لیکن میں....." وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ "میں یہاں کسی ڈاکٹر کو اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔ کورنگی کے ہسپتال میں ایک ڈاکٹر صاحب ہیں۔ وہ مجھے بیٹی کہتے ہیں۔ میں ان سے علاج کراؤں گی۔"

"تو پھر کورنگی چلو کیا وہ میری ہتھیلی کا علاج نہیں کریں گے؟"

"آں۔ ہاں۔ علاج کریں گے مگر ہم دونوں کو ایک جگہ علاج نہیں کرانا

یوں نہیں۔ ہم کسی ایک ڈاکٹر سے علاج کرائیں گے تو میرے
لی کا رشتہ اس کی سمجھ میں آجائے گا۔"
نے نہیں سوچا تھا۔" وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔ پھر اس نے
ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتا۔ دیکھو ایسا کرو ہم دونوں یہاں سے ایک
ے۔ ہسپتال کے قریب پہنچ کر الگ ہو جائیں گے تم اپنا علاج کرانا
۔ پھر ہسپتال سے باہر آکر ہم مل جائیں گے۔"
ی۔ اس طرح دونوں کا برابر ساتھ رہتا۔ وہ راضی ہو گئی۔
ے کی طرف جانے لگے۔ کچھ دور جاکر لڑکی اپنے دوپٹے کے
ستہ پھاڑنے لگی۔
؟"
ئے آنچل کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے ہتھیلی پر
دیکھ کر نہ جانے لوگ کیا سوچ رہے ہوں گے۔"
ڑا لڑکی کے دل کی طرح ملائم تھا' اجنبی کو یوں لگا کہ لڑکی نے
ر کر اسے ہتھیلی پر رکھنے کے لئے دے دیا ہے وہ بڑی آہستگی سے
ہتھیلی کے اطراف لپیٹنے لگا۔
تے ہیں جو بہت پیارے ہوتے ہیں مگر انہیں نقاب میں یا آنچل
کھنا پڑتا ہے تاکہ محبت تماشہ نہ بنا جائے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ
ر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ وہ مردوں کی قطار میں اپنی
گیا۔ لڑکی عورتوں کی قطار میں چلی گئی۔ آدھ گھنٹے بعد وہ ڈاکٹر
ڑنے اسے دیکھتے ہی ہنستے ہوئے کہا۔
نے ابٹن کیوں لگائی ہے؟ کیا کسی سے شادی کرلی ہے؟"

وہ جھینپ کر بولی۔ "انکل! آپ مذاق نہ کریں۔ کل رات پڑوسن سے میرا جھگڑا ہو گیا تھا ہو کم بخت عورت نہیں پہلوان ہے۔ اس نے اتنی زور سے طمانچہ مارا ہے کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔"

"اور تم نے نشانات کو چھپانے کے لئے ابٹن لگایا ہے۔ اگر تم ان نشانات کو مٹانے کے لئے کوئی زود اثر دوا لینے آئی ہو تو میرے پاس ایسی کوئی دوا نہیں ہے۔ یہ نشانات رفتہ رفتہ مٹیں گے۔"

"انکل! میرے جبڑے دکھتے ہیں' دانتوں کی تکلیف ہے' روٹی چبائی نہیں جاتی۔ آپ کوئی ایسی دوا دیں کہ میں جلد ہی روٹی کھانے کے قابل ہو جاؤں۔"

ڈاکٹر نے واش بیسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جاؤ' پہلے ابٹن چھڑا کر آؤ۔"

اس نے منہ دھونے کے لئے برقعہ اتار کر کرسی پر رکھ دیا اور واش بیسن کی طرف جانے لگی۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"تمہاری پڑوسن بہت ظالم ہے۔ اس نے مارا تو مارا دوپٹہ بھی پھاڑ ڈالا۔"

وہ گھبرا کر اپنا دوپٹہ دیکھنے لگی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ جلدی سے منہ پھیر کر واش بیسن کے پاس آئی اور نلکا کھول کر منہ دھونے لگی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اجنبی کی باری آئی۔ جب وہ ڈاکٹر کے کمرے میں آیا تو وہاں کرسی پر لڑکی کا برقعہ رکھا ہوا تھا اور وہ کمپاؤڈر کے پاس دوا لینے گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی ہتھیلی پر بندھی ہوئی پٹی کو ذرا غور سے دیکھا پھر اس پٹی کو کھولتے ہوئے اس لڑکی کا پھٹا ہوا دوپٹہ یاد آگیا۔ اس نے پوچھا۔

"یہ ہتھیلی کیسے جل گئی؟"

"آگ سے!"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ آگ سے جلی ہے مگر کیسے جلی؟ کیا تم کسی تندور میں روٹیاں لگاتے ہو؟"

چاہئے۔ دوسرے ہفتے اس نے ڈھائی سو روپے ماہوار پر ایک فلیٹ لے لیا۔ وہ فلیٹ لڑکی کی رہائش سے دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے اجنبی تمام دن ٹیکسی چلاتا تھا شام کے وقت لڑکی کے پاس آتا اور اسے گاڑی میں بٹھا کر سیر کرنے نکل جاتا تھا۔ لڑکی اس کے قریب رہنا چاہتی تھی لیکن اسے یہ فضول خرچی پسند نہیں تھی۔ اس نے کہا۔

"شام کے وقت بہت زیادہ سواریاں ملتی ہیں' تم بہت زیادہ کما سکتے ہو لیکن مجھے لے کر سیر کے لئے نکل جاتے ہو' یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ پیسے جمع کرنا چاہئیں۔ آخر یہ پیسے ہم دونوں کے کام آئیں گے۔"

"یہ پیسے ہم دونوں کے کام تو آرہے ہیں۔ تمہارے ساتھ گھومنے پھرنے' کھانے پینے اور زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کے لئے میں یہ پیسے کما رہا ہوں۔ اگر تم کہو گی کہ شام کے وقت میں تمہارے ساتھ سیر نہ کروں تو پھر اتنی محنت کرنے کا فائدہ کیا ہے؟"

"بہت سے فائدے ہیں۔ ہم اپنا گھر بنائیں گے' میں جیسا کہتی ہوں ویسا کرو۔ ہم ہفتے میں صرف ایک دن اتوار کو تفریح کے لئے کہیں جایا کریں گے۔"

وہ جیسا کہتی تھی' ویسا ہی وہ کرتا تھا۔ وہ اس سے بحث کرنے سے اس لئے کتراتا تھا کہ کہیں پھر جھگڑا نہ ہو جائے اور غصے کی حالت میں دوبارہ لڑکی پر ہاتھ نہ اٹھ جائے۔ اسی لئے اس نے یہ بات بھی مان لی مگر اس کے بغیر ایک ہفتہ گزارنا مشکل ہو گیا۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک بار اس سے ملاقات ہوتی تھی۔ صبح جب وہ کارخانے جاتی تو وہ بھی اس کے ساتھ دور تک جاتا اور یہ سوچتا رہتا کہ اتنی بڑی دنیا میں وہ اکیلا نہیں ہے اسے سوچنے کے لئے ایک من موہنی سی لڑکی مل گئی ہے لیکن جب وہ کارخانے کی چاردیواری میں جا کر قید ہو جاتی تو وہ پھر اگلی صبح تک کے لئے تنہا رہ جاتا۔ دن کسی طرح ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے گزر جاتا تھا مگر رات پہاڑ بن جاتی تھی۔ رات کو کمرے کی خاموشی میں وہ فرش پر لیٹ جاتا تھا۔ پلنگ اور آرام دہ بستر ہونے کے

باوجود وہ فرش پر اس لئے سوتا تھا کہ اس طرح لڑکی کے ساتھ گزاری ہوئی پہلی رات پوری تفصیل سے یاد آتی رہتی تھی۔

اس نے کئی بار سوچا کہ پہلی ملاقات سے اب تک وہ دونوں ایک دوسرے کے کتنے قریب آئے ہیں؟ جہاں تک دلی قربت کا تعلق تھا' وہ ایک جان اور دو جسم تھے۔ ایک جان کی طرح ایک جسم نہیں بن سکے تھے۔ جب بھی وہ جسمانی طور پر قریب آتے' ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے تو لڑکی ہولے ہولے کانپنے لگتی۔ کانپنے اور لرزنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ وہ جذبات کی فراوانی سے بھی لرزتی تھی اور ایک طرح کا خوف بھی دامن گیر ہوتا تھا کہ تنہائی اور قربت کی انتہا نہ جانے کتنی صبر آزما ہو گی۔ ہر نوشگفتہ کلی اپنے محبوب کی آغوش میں کھلنے سے پہلے ذرا گھبراتی ہے مگر وہ کچھ زیادہ ہی گھبراتی تھی۔ چور نظروں سے اس کے پہاڑ جیسے وجود کو دیکھ کر سوچتی تھی کیا وہ اس بلندی کو سر کر لے گی۔ حقیقتاً وہ اس کے سامنے ایک بچی معلوم ہوتی تھی۔ ایک چیونٹی نظر آتی تھی لیکن اس حقیقت کو بھی سمجھتی تھی کہ پہاڑ کے سامنے انسان چیونٹی کے برابر ہوتا ہے مگر اپنی ذہانت اور صبر آزما کوششوں سے اس کی بلندیاں سر کر سکتا ہے۔ وہ اسے جیت لینا چاہتی تھی یا اس کے بازوؤں میں مرجانا چاہتی تھی' لہٰذا جیتنے یا مرنے کا فیصلہ ہونے سے پہلے وہ اس کے قریب آتے ہی خوف سے لرزتی تھی اور جذبات کی ہلچل سے ہولے ہولے تھرتھراتی تھی۔

اجنبی بھی بال بال کنوارا تھا۔ پیار کے پہلے سبق میں اس کا ہاتھ تھام کر یہ بھول جاتا تھا کہ اس کے بعد دوسرا سبق کیا ہے۔ اگر دوسرا سبق یاد آبھی جاتا تو لڑکی کی سہمی ہوئی ادائیں اسے سوچنے پر مجبور کر دیتیں کہ کہیں وہ پھر ناراض نہ ہو جائے۔ اس جانِ حیات کی ناراضگی کا بڑا خیال تھا۔ خود کو جلا کر اسے منانا پڑا تھا۔

بس یہی کچھ سوچتے سوچتے دن گزر رہے تھے۔ ہفتے کی صبح وہ معمول کے مطابق اس سے ملنے آئی تو اجنبی نے اسے ایک تحفہ پیش کیا۔ وہ تحفہ ایک چھوٹا سا گیند نما ریڈیو تھا۔ لڑکی نے خوش ہو کر اسے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "آہا۔ کتنا خوبصورت

خریدا ہے؟"

تمہارے لئے ہے۔ یہ دیکھو' اسے اس طرح آن کرتے ہیں۔"

آف کا طریقہ بتانے کے لئے اس نے ریڈیو کو اس طرح تھام لیا کہ لڑکی

ں میں آگیا۔ ریڈیو آن ہوگیا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس ایسا تھا کہ لڑکی

زنے لگی۔ ان کے درمیان کوئی مغنیہ سُریلی آواز میں گا رہی تھی اور

سے ان کے چھپے ہوئے جذبات کی چغلی کھا رہی تھی۔ اجنبی نے بڑی

لیتے ہوئے کہا۔

ں۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔ ....."

وہ فوراً چپ ہوگیا۔ دل ہی دل میں خود کو گالیاں دینے لگا۔ بھلا یہ بھی

ت تھی؟ دونوں ایک دوسرے کی محبت کو اظہار کے بغیر ہی سمجھتے تھے۔

کہنے کے لئے وہ قیمتی تحفہ لے کر آیا تھا۔ ہاں وہ کیا بات ہے؟ وہ کیا کہنا

نے لڑکی کو بڑی چاہت سے دیکھا۔ وہ شرما رہی تھی۔ شاید انتظار کر رہی

کچھ کہے گا۔ تحفہ ایسی چیز ہے جس کا سہارا لے کر مرد ایک دم اپنی

ب چلا آتا ہے اور اسے بڑے پیار سے بازوؤں میں لے کر پیار کرتا

ب بار صرف ایک بار اسے پیار کرنا چاہتا تھا۔ وہ بڑی اچھی لگتی تھی مگر

وصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ مرد زبردستی پر اتر آئے تو طمانچہ مار دیتا ہے۔

لئے تو چومتے وقت پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔

وقت واپس نہیں آتا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر واپس جانے لگی۔

وقت ہوگیا ہے' اب میں جاؤں گی۔ یہ۔ یہ ریڈیو لے جاؤں؟"

جاؤ۔" وہ اس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا مکان کے باہر آیا۔ "تمہیں اپنا

کل اتوار ہے۔ ہم تمام دن سیر کریں گے۔"

یاد ہے کل صبح میں اسی وقت واپس آؤں گی۔"

وہ چلی گئی اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ دور ہوتی گئی۔ یہ اپنی

حماقت پر جھنجلاتا رہا کہ ایک بالشت بھر کی چھوکری کے سامنے وہ بزدل کیوں بن جاتا ہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو اس نے پھر ایک بار تہیہ کر لیا کہ کل کہیں سیر و تفریح کے دوران وہ اسے ایک بار چومنے کا چانس لے گا۔ اس تصور کے ساتھ ہی وہ اسے گلے لگا کر بہلنے لگا۔

دوسرے دن انہوں نے ہاکس بے جانے کا پروگرام بنایا لیکن ہاکس بے پہنچنے تک دوپہر ہوگئی۔ لڑکی نے بننے سنورنے میں گیارہ بجا دیئے تھے۔ پھر رکشے یا ٹیکسی کے انتظار میں دو گھنٹے گزر گئے۔ جب وہ ہاکس بے پہنچے تو دو بج گئے تھے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہوگیا تھا۔ لڑکی اپنے ساتھ آلو کے پراٹھے لے کر آئی تھی۔ وہ دونوں ریت پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ اجنبی بار بار وقت دیکھ رہا تھا۔ دو سے ڈھائی اور ڈھائی سے تین بج رہے تھے' لیکن ابھی تک اسے چومنے یا گلے سے لگانے کا چانس نہیں ملا تھا۔ صبح وہ دیر سے آئی تھی۔ اگر وہ مکان کے اندر آتی تو شاید اس کے بازوؤں میں بھی آجاتی مگر چونکہ دیر ہوگئی تھی اس لئے موقعہ نہ ملا۔ راستے میں وہ ٹیکسی کے انتظار میں دو گھنٹے تک سڑکوں پر مارے مارے پھرتے رہے۔ اجنبی نے سوچا تھا کہ ٹیکسی میں جائیں گے پچھلی سیٹ پر بیٹھیں گے۔ ڈرائیور کی نظریں سامنے راستے پر لگی ہوں گی اور وہ موقعہ پاکر اپنی جانِ حیات کو چوم لے گا لیکن بدقسمتی سے ٹیکسی نہیں ملی' رکشا ملا۔ وہ بھی ایسا رکشا جو تمام راستے شور مچاتا رہا اور آگے پیچھے' دائیں بائیں جھٹکے کھاتا رہا۔ لڑکی ایک جھٹکے میں قریب آتی تھی' دوسرے میں دور چلی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں اگر وہ ایک بوسے کے لئے اس کے لبوں کو ٹارگٹ بناتا تو وہ بوسہ جھٹکے کھا کر اس کی ناک پر جاتا یا ٹھوڑی پر پہنچتا یا دائیں بائیں رخساروں سے پھسل کر نہ تیر ہوتا نہ تکا۔ بعض اوقات ایک بوسہ بھی غریبی کا مذاق اڑاتا ہے۔ اگر وہ رکشے کی بجائے کسی آرام دہ کار میں ہوتا تو وہ محبوبۂ دلنواز اس کے پہلے بوسے سے متعارف ہو چکی ہوتی۔

روٹی کھانے کے بعد وہ سمندر کے کنارے ٹہلنے لگے۔ بہت سے مرد' عورتیں اور بچے سمندر کی لہروں سے کھیل رہے تھے۔ بچے کم تھے' جوان زیادہ۔ لڑکیاں منہ

ں میں ہم نے ایک سہانے مستقبل کا خواب بھی دیکھا ہے۔"
' لیکن اس کے علاوہ بھی میں کچھ ایسے خواب دیکھتا ہوں' جن کی تعبیر کے
قت بے چین رہتا ہوں۔"
کون سے خواب ہیں؟"
وہ میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں پیار کر رہا ہوں....."
چہرہ گلِ انار ہونے لگا۔ اجنبی کا دل بھی اس تیزی سے دھڑکنے لگا تھا جیسے
بہت ہی دھماکہ خیز بات کہہ دی ہو۔ وہ چند لمحوں تک اپنے دل کی
سنبھالتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ کچھ کہے گی لیکن اسے چپ لگ گئی

سے اپنی کمزوری پر غصہ آیا۔ تفریح کا پروگرام بنانے سے قبل وہ اپنی
کے لبوں کو ایک بار چوم لینے کے لئے کتنے ہی دلیرانہ منصوبے بنا چکا تھا۔
قعہ ہاتھ آیا تھا تو وہ بھی ہاتھ سے نکلنے والا تھا۔ اب یہ تو انہونی سی بات تھی
لڑکی خود ہی آگے بڑھ کر کہتی۔ "آؤ میرے شرمیلے محبوب! میرے لبوں
....."

نے جرأت سے کام لیتے ہوئے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے شانے پر رکھ
نہیں تھی' اپنی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چھو سکتا تھا۔ اسے محبت سے
سہمے ہوئے نازک سے بدن کی کپکپاہٹ کہہ رہی تھی کہ اسے بھی
ضرورت ہے۔ محبوب کی قربت اسے بھی کمزور بنا رہی ہے۔
نے گداز بانہوں کو مضبوطی سے تھام لیا اور اس کے قریب سے قریب تر
کی نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اس کی گرفت میں کسمساتی ہوئی

نہیں۔ پلیز چھوڑ دو مجھے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا؟"
کمزور پڑ گیا۔ عورتیں جتنی محتاط ہوتی ہیں' اتنے مرد نہیں ہوتے۔ لڑکی

نے اس کی پیش قدمی پر اعتراض نہیں کیا تھا' اس نے دانش مندی کی بات کہی تھی کہ اِدھر اچانک ہی کوئی آسکتا ہے۔

اس نے بڑی آہستگی سے خود کو چھڑایا' اپنے سر پر آنچل رکھا' پھر وہاں سے پلٹ کر آہستہ آہستہ جانے لگی۔ شرافت کے دائرے میں رہ کر کسی کو اپنی بانہوں کے دائرے میں لانے کے لئے بڑے صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا ہے۔

وہ ٹائلٹ کے دوسری طرف نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اجنبی اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ وہ ایک جنگلی پھول تھا' جس کی مٹھی سے خوشبو نکل کر چلی گئی تھی۔ پھر وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ لڑکی کمپارٹمنٹ کے آخری سرے میں عورتوں کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔ مسافر زیادہ نہیں تھے۔ بہت سی سیٹیں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ کسی بھی سیٹ پر تنہا بیٹھ سکتی تھی لیکن وہ قدرے محتاط ہو گئی تھی اور اس سے ذرا دور ہی رہنے میں بہتری سمجھتی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کمپارٹمنٹ کا جائزہ لیتا رہا اور اپنے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرتا رہا۔ پھر ایک کھڑکی کے قریب اسے ایک صحت مند نوجوان نظر آیا۔ وہ چہرے سے ہی بدمعاش نظر آتا تھا۔ اس کے جسم پر ایک دھاری دار بنیان تھی اور پتلون کے پائنچے چڑھے ہوئے تھے۔ اجنبی اس کے سامنے والی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

وہ غنڈہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔ اجنبی سمجھ گیا کہ وہ کوئی شکاری ہے اور اسے ہضم ہو جانے والا شکار سمجھ کر تاڑ رہا ہے۔ اجنبی نے جان بوجھ کر اپنے چہرے پر معصومیت طاری کر لی۔ اس نے دل میں سوچا کہ وہ جان بہار دور جا کر بیٹھ گئی ہے' تنہائی میں بور ہونے سے بہتر ہے کہ اس غنڈے کو شکار کھیلنے کا موقع دیا جائے۔

وہ بے چارہ شکاری دھوکا کھا گیا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر تاش کا ایک پیکٹ نکالا اور اسے کھولنے لگا۔ اجنبی اس پیکٹ کو ایسی دلچسپی سے اور کچھ ایسے اضطراب سے دیکھنے لگا جیسے اکثر لوگ سانپ کے کھلنے والے پٹارے کو ذرا دلچسپی سے

اس نے ریلوے باؤنڈری کو پار کر کے اسے کاندھے سے اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے تیزی سے چلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی صفائی پیش کرتا جا رہا تھا۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میری غلطی نہیں ہے۔ اس نے خود ہی مجھے کھیلنے پر اکسایا اور جب میں جیت گیا تو مجھ سے پیسے چھیننے لگا۔"

وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر بیچ سڑک میں کھڑی ہو گئی۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ تم نے تاش کو ہاتھ کیوں لگایا؟"

"اب وعدہ کرتا ہوں، کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"نہیں تم جھوٹے ہو۔ اب تک مجھے دھوکا دیتے رہے ہو۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ تم شرافت سے کبھی زندگی نہیں گذار سکتے۔ پتہ نہیں پہلے بھی تم نے کتنوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس بے چارے کو بھی مار ڈالا ہے۔ تم قاتل ہو۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ میں قاتل نہیں ہوں۔ وہ نہیں مرا ہو گا۔ بھلا معمولی سے جھگڑے میں وہ کیسے مر سکتا ہے؟"

"جب پولیس آ کے پکڑے گی تب تمہیں معلوم ہو گا میں فضول تمہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کون ہو تم میرے؟ کوئی نہیں ہو۔ میں تمہاری صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی....."

وہ پلٹ کر تیزی سے جانے لگی۔ اجنبی دل برداشتہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ آگے بڑھ کر پھر اسے پکڑ لے لیکن اسی وقت بہت دور سے ایک سپاہی آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی اسے اپنا جرم یاد آ گیا۔ اگرچہ اب کوئی اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا لیکن چور کے دل میں چور ہوتا ہے۔ اس نے فوراً ہی راستہ بدل دیا ویسے راستہ بدل سکتا تھا مگر محبت کو نہیں بھول سکتا تھا اور نہ ہی اسے تنہا چھوڑ سکتا تھا۔ وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر پھر اسی راستے پر آ گیا لیکن اس وقت تک لڑکی ایک رکشے میں

بیٹھ چکی تھی۔ اس نے دور سے آواز دی۔ "رک جاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔ میری ایک بات سن لو....." لیکن اس کی آواز رکشے کے شور میں دب گئی۔ یا پھر وہ سنتے ہوئے بھی انجان بن گئی اور رکشہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ کر تیزی سے بھاگتا ہوا دور بہت دور ہوتا چلا گیا۔

رات۔ چاند اور تنہائی۔ وہ تنہا رہ گیا۔ اسے چاند بے نور نظر آ رہا تھا اور رات اس کے نصیب کی طرح کالی لگ رہی تھی۔ وہ کیا گئی کہ رات کی رنگینیاں بھی ساتھ لے گئی۔ اگر وہ ساتھ ہوتی تو ابھی اس کے ساتھ کسی پکچر ہاؤز کی گیلری میں ہوتی۔ پھر وہ کسی مہنگے ریسٹورنٹ میں رات کا کھانا کھاتے۔ اس کے بعد جب وہ اسے چھوڑنے کے لئے اس کے مکان تک جاتا تو اندھیری گلی میں وہ اسے پیار کرنے کا موقعہ ضرور دیتی۔ آہ! ایک بوسے کی تمنا دل ہی میں رہ گئی تھی۔ کہاں چلی گئی تھی وہ؟

اس کے روٹھ کر جانے پر پہلے تو اسے غصہ آیا لیکن وہ غصہ کسے دکھاتا؟ جب سامنے کوئی نہ ہو تو اپنی غلطیاں بھی رفتہ رفتہ سمجھ میں آنے لگتی ہیں۔ اس نے تسلیم کر لیا کہ تین پتے کھیل کر اس نے غلطی کی ہے۔ جو بات لڑکی کو پسند نہیں تھی، اس سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔ کیا محبت کی خاطر وہ تاش کا کھیل نہیں چھوڑ سکتا تھا؟

یہ سوچ کر اس نے خود کو گالی دی۔ "سالے کبھی تمہارے باپ نے بھی محبت کی تھی۔ پھر اسے ناراض کر دیا۔ اب اسے کیسے مناؤ گے؟ ایک بار اسے منانے کے لئے اپنی ہتھیلی جلانی پڑی تھی۔ اب کیا خود کو جلا کر خاک کر ڈالوں؟ واقعی نفرت سے کسی کا گلا کاٹنا آسان ہے مگر محبت سے کسی کو گلے لگانا بہت مشکل ہے۔ میں کیسا مرد ہوں کہ ایک لڑکی کو گلے لگا کر نہیں رکھ سکتا۔ جب دیکھو اس کا دل توڑ دیتا ہوں....."

وہ سوچتے سوچتے پیدل چلتا رہا۔ پھر اسے ایک رکشا مل گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد وہ صدر پہنچ گیا۔ صدر کے فٹ پاتھ دکانداروں اور خریداروں سے آباد تھے۔ اس بھیڑ میں کتنی ہی عورتیں تھیں لیکن کوئی اس محبوبۂ دلنواز کی طرح نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس شہر کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ نہیں، وہ خوبصورت نہیں تھی،

صرف قبول صورت تھی لیکن مرد جسے چاہتا ہے' وہی اسے دنیا کی سب سے حسین لڑکی نظر آتی ہے۔ اجنبی کی نظروں میں بھی اس لڑکی کے سوا کوئی دوسری جچتی نہیں تھی۔

وہاں دوسرے خوش شکل اور خوش لباس جوڑوں کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ محبوبہ کو خوش کرنے کے لئے اسے کچھ تحفے پیش کرنے پڑتے ہیں۔ اگر وہ اسے منانے کے لئے کوئی قیمتی سا تحفہ خرید لے تو کیسا ہو؟ خیال اچھا تھا مگر پھر یہ خیال آیا کہ وہ روٹھی ہوئی حسینہ بات کرنا تک پسند نہیں کرتی' پھر تحفہ کیسے قبول کرے گی؟

آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جب وہ روٹھ جاتی ہے تو وہ مؤثر انداز میں ڈائیلاگ ادا نہیں کرسکتا ہے جو باتیں اسے کہنا چاہئے' وہ نہیں کہتا' جو نہیں کہنا چاہئے وہ باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں۔ دراصل محبت کرنے سے پہلے یہ سیکھنا چاہئے کہ فلمی یا ڈرامائی انداز میں محبت بھرے' درد بھرے اور دل کو موم کردینے والے مکالمے کس طرح ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی ہے جب تک بات دل کی گہرائی سے نکل کر زبان تک نہ آئے اور اس کا صحیح اظہار نہ ہو تو محبوبہ کی کھوپڑی میں بات نہیں اترتی۔ صحیح اظہار کے لئے زوردار ڈرامائی فقروں کی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت پوری کرنے کے لئے وہ فٹ پاتھ کی ایک دکان کے آگے بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے بے شمار فلمی مکالموں اور گیتوں کی کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ انہی کتابوں سے چیدہ چیدہ زوداثر آزمودہ مکالمے نوٹ کرکے اور انہیں سبق کی طرح یاد کرکے اس روٹھی ہوئی حسینہ کو منایا جاسکتا تھا۔

وہ اپنے حالات کی مناسبت سے کتابوں کا انتخاب کرنے لگا۔ پہلی کتاب جو اس نے اٹھائی' اس کا نام تھا۔ "حسینہ مان جائے گی۔" دوسری کتاب تھی۔ "میرا نام ہے محبت" لیکن اسے فوراً ہی واپس رکھ دیا کیونکہ بابرہ شریف کو کینسر ہوگیا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ بیماری مکالموں کے ذریعے اس کی محبوبہ تک پہنچ جائے۔ تیسری کتاب کا نام تھا "نوکر وہٹی دا۔" اس فلم کے مکالموں سے وہ لڑکی کو یقین دلا سکتا تھا کہ وہ اس کی زلفوں کا اسیر ہے۔ اس کا غلام ہے لیکن پھر یہ سوچ کر وہ کتاب واپس رکھ دی کہ

منور ظریف عورت کا غلام بنتے ہی اس جہانِ فانی سے کوچ کرگیا تھا۔ عورت کو حکومت اور مرد کو غلامی راس نہیں آتی۔ کتابوں کا انتخاب کرتے وقت پتہ چل رہا تھا کہ اس ملک کی انڈسٹری نے اب تک کوئی ایسی فلم نہیں بنائی ہے جو ایک غنڈے بدمعاش اور نوسرباز کو معصومیت اور شرافت سے اپنے مردانہ وقار کا تحفظ کرتے ہوئے محبت کرنے کا درس دے سکے۔

ایک گھنٹے کے بعد جب وہ اپنے فلیٹ میں پہنچا تو اس پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ وہ فرش پر پلتھی مارے بیٹھا تھا' اس کے سامنے بے شمار کتابیں بکھری پڑی تھیں۔ جو محبت کے آزمودہ نسخے بتا رہی تھیں اور وہ کاغذ قلم لئے یوں جھکا ہوا تھا جیسے کوئی وکیل زندگی اور موت کے درمیان مقدمہ لڑنے کے لئے قانون کی کتابوں سے اہم نکتے یادداشت میں محفوظ کررہا ہو۔

☆------☆------☆

تاج محل شاہ جہاں کی اپنی دماغی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے۔ کہیں سے اینٹ منگوائی' کہیں سے گارا' کہیں سے انجینئر بلوائے اور کہیں سے مزدور سمیٹے' تب کہیں جاکر ایک تاج محل تعمیر ہوا۔ اجنبی نے بھی یہی کیا اپنی روٹھی ہوئی محبوبہ کو موم کرنے کے لئے اور محبت بھرے ڈرامائی مکالموں سے اس کی ناراضگی دور کرنے کے لئے اس نے ایک فلمی کتاب سے ایک عاشق نامراد کے مکالمے نوٹ کئے دوسری فلمی کتاب سے ایک جواری محبوب سے محبت کرنے کے فوائد چن چن کر لکھے۔ تیسری فلمی کتاب سے محبوبہ کو تڑپا دینے والے گیتوں کے بول بھی شامل کرلئے یعنی کہیں کی اینٹ' کہیں کا روڑا' نوسرباز نے کنبہ جوڑا اور اس طرح ادب کی دنیا میں ایک شاہکار محبت نامہ تخلیق ہوگیا۔

دوسری صبح لڑکی اپنے مکان سے نکل کر کارخانے کی طرف جارہی تھی۔ راستے میں اجنبی کا گھر پڑتا تھا۔ اس روز وہ اس قدر ناراض تھی کہ اس کے دروازے کے قریب سے بھی گذرنا اسے گوارا نہ تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ راستہ ایک ہی تھا اس لئے مجبوراً سڑک کے دوسری طرف سے گذرنے لگی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ ایک بار ذرا سر گھما کر مکان کی طرف دیکھے۔ وہ یقیناً وہاں کھڑا ہوگا مگر اس نے اپنی اس خواہش کو کچل دیا۔ دل پر جبر کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اسی وقت ایک دس سال کا لڑکا دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور ایک نیلے رنگ کا لفافہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے

بولا۔ "یہ لو۔"

"یہ کیا ہے؟" اس نے سوال کرتے ہوئے لفافے کو تھام لیا۔ لڑکا جواب دیئے بغیر جدھر سے آیا تھا' اُدھر بھاگتا چلا گیا۔ اس بھاگنے والے کے ساتھ ساتھ لڑکی کی نظریں بھی بھاگتی ہوئی اجنبی پر جاکر ٹھہر گئیں۔ تب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ اس کے محبوب کا خوشامد نامہ ہے۔ وہ پسیج گئی۔ ناراضگی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے نفرت کرتی تھی' بلکہ ناراض ہوکر اس نے خود ہی اپنی رات کی نیند حرام کرلی تھی۔ ہر کروٹ پر وہ گمراہ عاشق اسے تڑپاتا رہا تھا اور اس کے دماغ میں کتنی ہی یادوں کے انگارے بن کر سلگتا رہا تھا۔

اس نے سر کو جھکا لیا۔ لفافے سے تہہ کئے ہوئے کاغذ کو نکالا اور اپنے محبوب کی تڑپتی ہوئی تحریر پڑھنے لگی۔

خط کی ابتدا کچھ ایسی دلگداز تھی کہ وہ ایک ایک لفظ پر پگھلتی چلی گئی۔ اسے پہلی بار پتہ چلا کہ اس کا محبوب صاحبِ دل' صاحبِ قلم اور صاحبِ کمال ہے۔ اس نے ایسے لچھے دار فقرے لکھے تھے کہ پڑھ کر دل جھوم جھوم جاتا تھا۔ اگر وہ ٹیکسی چلانے کی بجائے ہجر و وصال کی کہانیاں لکھنا شروع کردیتا تو اچھے اچھے دھانسو قسم کے مصنفین کا تختہ کرکے رکھ دیتا۔

وہ پڑھتی گئی اور متاثر ہوتی گئی لیکن ایک جگہ پہنچ کر تحریر کھٹکنے لگی۔ اسے کچھ یوں لگا جیسے یہ باتیں وہ پہلے بھی سن چکی ہے۔ کہاں سنی ہیں؟ ذرا سا ذہن پر زور دیتے ہی یاد آگیا کہ وہ ایک مشہور فلم کے مکالمے ہیں اس کے بعد جس فلم کے تڑپا دینے والے مکالمے تھے' وہ فلم لڑکی دیکھ چکی تھی۔ آخر میں گیتوں کے چند بول واضح طور سے چغلی کھانے لگے کہ وہ محبت نامہ اس کے محبوب کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ مختلف فلمی مکالموں کا کاک ٹیل ہے۔

وہ غصے سے اپنے نچلے ہونٹ کو چباتی ہوئی اجنبی کو گھور کر دیکھنے لگی۔ وہ بتیسی نکالے ذرا جھکتے ہوئے اس کی طرف آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا تھا لڑکی نے خط کے دو

اری سے خود کو نہیں چھپاتا تھا اس لئے وہ بدنام

اپنی غلطی کا احساس ہوتا گیا۔ اس نے تسلیم کرلیا کہ
ے دل کی آواز تھی۔ اظہار کے لئے صرف الفاظ
کہ الفاظ چرائے جاتے ہیں الفاظ اور چند گنے چنے
نہیں کوئی بھی کسی وقت بھی استعمال کرسکتا ہے اور
الفاظ اور مناسب فقرے استعمال کئے تھے' جنہیں
متاثر ہوتی جارہی تھی۔
سوچتی رہی اور اپنا کام کرتی رہی اب اپنے محبوب
ہیں' وہ سب اس کی سچی محبت کی غماز نظر آرہی
س نے محبوب کی قدر نہیں کی۔ اسے فراڈ سمجھتی
کے مطابق اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتا آیا تھا۔
تو دُور دُور تک کتنے ہی لوگ نظر آئے لیکن وہ نظر
ر اُدھر دیکھتی رہی اور مایوس ہوتی رہی۔ پھر دل
لئے فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔
گئی۔ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر لوگوں کی بھیڑ میں
جارہے تھے۔ وہ ایک جگہ الیکٹرک پول سے ٹیک
میں کبھی نگاہوں سے چھپ رہا تھا اور کبھی اجاگر
ر لڑکی اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی اور اپنے
تو اس کی جستجو میں ہے۔ اس کے لئے سدا بے چین
طرح رہتا ہے اس کے آگے چٹان کی طرح جم جاتا
لڑکیاں بہت کم ہیں جنہیں ایسا دیوانہ نصیب ہوتا

ں کو تھام کر کہا۔
رتا ہے یعنی محبت کرتا ہے اسی لئے تو شادی کرتا
ہے.....اگر تم چاہتی ہو کہ مجھے تمہاری مرضی
شادی کرلو۔ میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔"
تظار نہیں کیا' اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ بڑی
حسن کے در پر ہمیشہ سوالی بن کر رہنے سے مرادیں
ر جھپٹنے کا عمل بھی ہونا چاہئے۔ ہت تیرے نخرے
ہی۔ تڑپنے سے کیا ہوتا ہے؟ جب عورت زبان
ے اور مچلنے میں کتنے ہی معنی اور کتنے ہی اشارے
سمجھتے ہیں کہ وہ گونگی اداؤں سے انکار بھی کرتی
ڑتی جاتی ہے..... آہستہ آہستہ اس کی گداز
ں اپنے محبوب کے گلے کا ہار بن گئیں۔ پھر وہ بوسہ
ر بھی پیاسا رہا تھا' وہ لبِ لعلیں تک پہنچ کر لالوں
ت اسے ایک عجیب عجیب سی' نئی نئی سی لذت سے

فت سے نکل گئی۔ وہ جذبات سے تھرا رہی تھی۔
جلدی سے اپنا پرس اٹھایا اور بھاگتی ہوئی کمرے

☆======☆---

ذرا نگاہیں اٹھائیں تو اجنبی نظر نہیں آیا۔ وہاں لکی
اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سیدھی اپنی
ر نہیں دیکھنا چاہتے تھا لیکن اس اجنبی کی شکل کچھ
ہوگئی۔ پھر اسے دیکھتے ہی کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ

ہو۔ انہیں شوق سے لے جاؤ۔"

وہ طوطے کے ساتھ دہلیز پار کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مکان کی مالکہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ اتنی اچھی لڑکی ہے۔ میں اب تک یہ سمجھ رہی تھی کہ اس نے کسی ڈھنگ کے آدمی کو پسند کیا ہوگا۔ مگر یہ تو میاں مٹھو ہے۔"

اس کے ساتھ والی عورت نے جواب دیا۔

"ہم عورتیں ایسے ہی مرد کو پسند کرتی ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں میاں مٹھو بن کر رہے۔ مگر یہ تو صورت شکل سے بھی گیا گذرا ہے۔ اونہہ! ہمارا کیا جاتا ہے وہ طوطے کو تو کیا، کسی اُلو کو بھی پسند کر سکتی ہے۔"

وہ دونوں اپنے اپنے طور پر تبصرہ کرتی ہوئی مکان سے باہر چلی گئیں۔ لڑکی نے اپنے کمرے کے اندر آکر پوچھا۔

"اب بتایئے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

وہ طوطے کی طرح گردن گھما گھما کر کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے لڑکی کی جانب گھوم کر جواب دیا۔

"میں تھانے میں اطلاں دوں گاں تو مجھے انعام ملے گاں۔ اطلاع نہیں دوں گاں تو تم مجھے کیاں دوگی؟"

بڑا بے باک اور غیر متوقع سوال تھا۔ وہ کچھ سمجھتے ہوئے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کا منہ تکنے لگی۔

"میراں منہ نہ دیکھوں۔ منہ بند کرنیں کے لئے کچھ ناں کچھ تو دینا ہی پڑے گاں۔"

"مم۔ میں ایک غریب لڑکی ہوں۔ ملازمت کرتی ہوں۔ بھلا آپ کو کیا دے سکتی ہوں؟"

"تم ہر ماہ دو سو روپے دے سکتی ہوں۔"

"دو سو.....؟ لیکن میں اپنی آدھی تنخواہ دے کر کیسے گذارہ کر سکوں گی؟"

"اپنے آندی کو بچانے کے لئے یہ ماں مولی رقم ہیں۔ تم اپنے آندی کو ادائیں دکھاں کر چار سو بھی وصول کر سکتیں ہوں لیکن خبردار! اس خردمانغ سے میں راذ کرنہ کرناں۔ وہ مجھے مارنے آئے گاں تو میں تھانے پہنچ جاؤں گاں۔ پھراوں جنیل چلاں جائے گا۔ پھر اس کوں پھانسی کیں سزاں ملے گیں....."

وہ کہہ رہا تھا اور لڑکی چشم تصور میں اسے جیل جاتے ہوئے اور پھانسی پاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ گھبرا کر بولی۔

"نن نہیں۔ آپ ایسا نہ کہیں۔ میں دو سو روپے دوں گی۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمہیں دو سو دے دیا کروں گی۔"

وہ اپنی دائیں ہتھیلی پھیلا کر بولا۔

"اس ماہ کیں دو سوں نکاں لو....."

"آں۔ ابھی میرے پاس نہیں ہیں۔ میری تنخواہ ایک ہفتہ کے بعد ملے گی۔"

"اینک ہفتے تنک میں ری زبان بند نہیں رہے گی۔ مجھے پیسوں کی ضروں رت ہے۔ ابھیں تھانے جاؤں گا تو شاباشیں بھیں ملے گیں۔ انعام بھیں ملے گاں۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہنے لگی۔

"خدا کے لئے میری مجبوریوں کا خیال کیجئے۔ میں تنخواہ سے پہلے اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتی ہوں؟"

"دیں سکتی ہوں۔ کسی سے اوں دھار لو۔"

"مہینے کی آخری تاریخوں میں یہاں سب ہی کا ہاتھ تنگ ہوتا ہے۔ مجھے کہیں سے ادھار نہیں ملے گا۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں کہتی۔ نہ ہی آپ کو ٹالنا چاہتی ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ میں پہلی تاریخ کو آپ کا مطالبہ پورا کردوں گی۔"

وہ اس کی التجا سن رہا تھا۔ اس کی نظریں نعمت خانے پر رکھے ہوئے گیند نما ریڈیو پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں آیا اور ریڈیو کو مٹھی میں لے کر بولا۔

"اینک ہفتے تنک یہ میں رے پانس گروی رہے گاں۔"

وہ تیزی سے قریب آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر التجا آمیز لہجے میں بولی۔

"یہ اس نے مجھے تحفہ دیا ہے کبھی وہ ادھر آگیا تو میں کیا جواب دوں گی کہ اس کا تحفہ کہاں غائب ہوگیا ہے؟"

"اس قاں تل سے کہہ دینا تمہیں دوسوں کی ضرورت تھیں تم نے اسے گروی رکھ دیاں ہیں۔"

"نہیں۔ محبت سے دیئے ہوئے تحفے کو گروی نہیں رکھا جاتا۔ یہ تحفہ دینے والے کی توہین ہے۔ میں ایسا نہیں کرسکتی۔"

اس نے جواب دینے کی بجائے لڑکی کے ملائم ہاتھوں کو دیکھا جو خوشامدانہ انداز میں اس کے ہاتھ کو تھامے ہوئے تھے۔ اچانک ہی طوطے کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ وہ گورے گورے ہاتھ بتا رہے تھے کہ وہ حسینہ اپنے بدن میں دور دور تک ایسی ہی گوری ملائمیت رکھتی ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے ریڈیو آن کردیا۔ کمرے کی خاموشی میں یکبارگی موسیقی گونجنے لگی۔ کسی انگریزی دھن پر آرکسٹرا گونج رہا تھا۔ اس نے ریڈیو کو واپس نعمت خانے میں رکھ کر اس کے ملائم ہاتھوں کو تھام لیا۔

وہ ایسی نادان تو نہیں تھی کہ ہاتھ تھامنے کا مقصد نہ سمجھتی اور ایسی نادان بھی نہیں تھی کہ غصہ سے ہاتھ چھڑا کر اسے اپنا دشمن بنالیتی۔ وہ مصلحتاً مسکرانے لگی اور دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"مم۔ میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ پلیز۔"

اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کی درخواست منظور تو ہوگئی۔ مگر ہاتھ چھوڑ کر اس نے اس کے دونوں بازوؤں کو مضبوطی سے تھام کر کہا۔

"اینک ہفتے تنک تم گرویں رہ جاؤ....."

"نہیں!" آرکسٹرا کا ایک بینگ ہوا۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنے بازوؤں کو چھڑا کر پیچھے ہٹی مگر لڑکھڑا گئی۔ طوطے نے اسے سنبھلنے کا موقعہ نہیں دیا اسے رگیدتے ہوئے

بستر پر آگرا۔ ایک ساتھ آرکسٹرا کے کتنے ہی وائلن چیخنے لگے۔

لڑکی کا ذہن بھی چیخ رہا تھا۔ وہ اپنے محبوب کی سلامتی کے لئے سب کچھ کرسکتی تھی۔ مگر عزت نہیں دے سکتی تھی اور نہ ہی اس بلیک میلر کو یہ موقعہ دے سکتی تھی کہ وہ اس کے محبوب کو کوئی نقصان پہنچائے۔

وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔ خود کو اس کی گرفت سے چھڑا رہی تھی اور اس سے التجا کر رہی تھی کہ وہ اسے کوئی سستے خیال کی لڑکی نہ سمجھے مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ کچھ آرکسٹرا کا شور تھا۔ کچھ جذبات کا زور تھا۔ کچھ اس تنہا لڑکی کی جوانی کا سرور تھا۔ کچھ اپنی مردانگی کا غرور تھا۔ وہ رہ رہ کر ایک باز کی طرح جھپٹ رہا تھا اور لڑکی اس سے بچتی اور سنبھلتی جارہی تھی۔

ایک بار وہ سنبھل کر پلنگ پر سے اٹھی۔ اس نے پھر پکڑ لیا۔ دونوں میں کشمکش ہونے لگی۔ وہ اپنی طرف اسے کھینچ رہا تھا یہ خود کو اس کی گرفت سے چھڑا رہی تھی۔ پلنگ لرز رہا تھا۔ موسیقی تھرا رہی تھی۔ تمام وائلن کی آواز سسپنس کے انداز میں کلائمکس کی طرف جارہی تھی کہ نہ جانے اس کش مکش اور کھینچا تانی کا نتیجہ کیا ہو؟ کس کی جیت ہوگی؟ کس کی ہار ہوگی؟

لڑکی نے آخر پوری قوت صرف کرکے زور لگایا تو دونوں ایک جھٹکے سے الگ ہوگئے۔ وہ چاروں شانے پلنگ پر چت ہوگیا۔ لڑکی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتی ہوئی آکر نعمت خانے سے ٹکرا گئی۔ نعمت خانے میں جیسے زلزلہ آگیا۔ اندر کچھ برتن گرے اوپر گیند نما ریڈیو شور مچاتے ہوئے لڑھکنے لگا۔ اس کے اوپر کیلوں میں پھنسے ہوئے چمچے اور فورکس اس کے ہاتھ کے قریب گرنے لگے۔

اچانک ہی لڑکی کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ وہ کس طرح اپنے محبوب کو اس بلیک میلر کے کالے ارادوں سے نجات دلاسکتی ہے۔ اس نے ایک فورک کو مضبوطی سے اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ پھر تیزی سے پلٹ کر دوڑتی ہوئی آئی۔ اس وقت تک وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ فورک کی چمکتی ہوئی چار نوکیں ٹھیک اس کے سینے کی طرف چلی

آرہی تھیں۔ وہ اتنی تیزی سے آرہی تھیں کہ طوطا سنبھل کر اِدھر اُدھر نہ ہو سکا۔ اس نے صرف ایک ہاتھ سے فورک کو ایک طرف جھٹک دینے کی کوشش کی۔ مگر وہاں بجلی کی سی تیزی تھی۔ اس کا ہاتھ لڑکی کے ہاتھ سے ضرور ٹکرایا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ فورک کا رخ بدل گیا۔ وہ سینے کی طرف آنے کی بجائے ذرا اوپر اٹھ کر حلق میں پیوست ہو گیا۔

"آنک.....!" طوطے کے دیدے پھیل گئے۔

ایک ساعت کے لئے آرکسٹر چپ ہو گیا۔ موت کی سی بھیانک خاموشی چھا گئی۔ پھر یکبارگی تمام سازوں کی جھنجھناہٹ گونجی اور لڑکی کے ہاتھ سے فورک چھوٹ گیا۔ حلق میں پھنسا رہ گیا۔ وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔ ہکا بکا سی ہو کر سوچ رہی تھی کہ اس سے کیسی حرکت سرزد ہو گئی ہے۔

طوطے کے لرزتے ہوئے ہاتھ اپنے حلق پر آگئے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ سے فورک کو کھینچ کر نکالا تو خون کا فوارہ چھوٹ کر لڑکی کے سینے اور گردن پر آگیا۔ وہ لرزتی ہوئی پھر نعمت خانے سے آکر ٹک گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ لہو میں ڈوبتی جا رہی ہو۔

وہ ایک ہاتھ سے خون آلود فورک کو پکڑے ہوئے تھا۔ دوسرا ہاتھ نرخرے پر رکھ کر بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ ناک سے بولنے والا کٹے ہوئے نرخرے سے بولنے لگا۔

"خرر۔ رر۔ خرر۔ رر رر۔ خاں۔ خرر۔ رر....." اس کے پھیلے ہوئے دیدے لڑکی پر مرکوز تھے۔ اس کے ہاتھ میں لرزتے ہوئے فورک کا رخ بھی لڑکی کی طرف تھا۔ بس یوں لگ رہا تھا کہ وہ اب تب میں اسی فورک سے اس پر جوابی حملہ کرے گا۔ "خرر۔ رر۔ رر رر۔ خاں۔ خرر۔ رر....."

وہ ناک سے سانس کھینچ رہا تھا۔ مگر وہ سانسیں کٹے ہوئے نرخرے سے خارج ہو رہی تھیں اور وہاں سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے کسی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے

شیشے پر چپکا ہوا کاغذ پھٹنے کے بعد ہوا کی زد میں پھڑپھڑا رہا ہو۔ "خر۔ رر۔ رر....."

وہ تھرتھراتا ہوا اور موت کے نشے میں جھومتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں اور فورک دونوں کا رخ لڑکی کی طرف تھا۔ وہ لرز رہی تھی۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہاں سے بھاگ سکے۔ پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے اور جیسے زمین سے چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ صحیح سلامت تھی مگر حرکت نہیں کر سکتی تھی اور وہ جو زندگی سے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اپنی آخری تمام قوتوں کو سمیٹ کر اس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔

وہ اپنے پاؤں کو گھسیٹتا ہوا ایک قدم آگے بڑھا۔ وہ سہم کر نعمت خانے سے چپک گئی۔ اس نے دوسرا قدم اٹھایا مگر چکرا کر گر پڑا۔ اس سے صرف دو ہاتھ کے فاصلے پر زمین بوس ہو گیا۔

چند لمحوں تک اس کی گردن یوں ہولے ہولے جھٹکے کھاتی رہی جیسے وہ بڑی اذیت سے سانس لینے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے دیدے پھیلا کر لڑکی کو دیکھا اور فورک والا ہاتھ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے رینگنے لگا۔ "خرر۔ رر۔ رر خاں۔ خرر۔ رر....."

اس بار لڑکی میں ذرا سی جرأت پیدا ہوئی۔ وہ بھاگتی ہوئی دروازے کے پاس آگئی۔ وہاں سے اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اب وہ دروازے کی طرف رینگ رہا تھا۔ وہ فورک کی جانب دیکھنے کی جرأت نہ کر سکی۔ اس کی گھورتی ہوئی نگاہوں کی تاب نہ لا سکی۔ فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اسے باہر سے بولٹ کیا اور پلٹ کر بھاگتی ہوئی مکان سے باہر نکلتی چلی گئی۔

اتفاق سے اس مکان کی کسی عورت نے اسے بدحواسی سے بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ باہر چاند نہیں نکلا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ کوئی اس کے کپڑوں پر خون کے دھبوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا' اور اسے اتنا ہوش نہیں تھا کہ وہ خون کے دھبوں کے

متعلق سوچتی۔ وہ سوچ اور سمجھ سے خالی ہوگئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے بھاگتے ہوئے قدم زمین پر پڑ رہے ہیں یا وہ خلاؤں میں ہاتھ پاؤں مارتی جارہی ہے۔ جیسے وہ لاشعور جو سہمی ہوئی چڑیا کو گھونسلے کی طرف اور گھبرائی ہوئی عورت کو پیار کی پناہ کی طرف ہانکتا ہے۔ اسی طرح اس کا لاشعور بھی اسے ہانکتا ہوا اس کے محبوب کے دروازے تک لے گیا۔ اس وقت وہ دروازہ کھول کر اندر جارہا تھا۔ لڑکی اسے دھکا دیتی ہوئی رگیدتی ہوئی کمرے میں آئی۔ پھر فوراً ہی پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کردیا۔

وہ حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے اسے تکنے لگا۔ وہ دروازے سے لگی ہانپ رہی تھی اور کانپ رہی تھی۔ بالکل وہی منظر تھا۔ کچھ عرصہ پہلے اجنبی اسی طرح لڑکی کو رگیدتے ہوئے اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس وقت وہ مجرم تھا۔ اب لڑکی مجرمہ تھی۔

"کیا ہوگیا؟" اس نے قریب آکر اس کے دونوں بازوؤں کو تھام لیا۔

وہ جواب کیا دیتی۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اجنبی اس کے سینے اور گردن پر خون کے دھبے دیکھ کر الجھ گیا۔ اس نے انگلی سے ایک دھبے کو چھو کر پوچھا۔

"یہ کیسا خون ہے؟ کس کا خون ہے؟ تم خوفزدہ کیوں ہو؟ تم رو کیوں رہی ہو۔ خاموش کیوں ہو بولو۔"

وہ جواب دینا چاہتی تھی۔ اسے سب کچھ بتانا چاہتی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کی بھی کوشش کی مگر اس کے حلق سے عجیب بے معنی سی آوازیں نکلتی رہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی گونگی کراہ رہی ہے۔ کسی بھاری پتھر کے تلے پسی جارہی ہے اس کی حالت ایسی قابلِ رحم تھی کہ اجنبی نے فوراً ہی اسے بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگالیا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"کیا یہ کسی جانور کا خون ہے؟"

وہ نفی میں سرہلانے لگی۔

"کیا انسان کا خون ہے؟"

وہ اثبات میں سرہلا کر پھر کراہنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں۔" وہ اسے تھپک تھپک کر تسلیاں دینے لگا۔ "مجھے بتاؤ یہ کس کا خون ہے۔ اس کے چھینٹے تمہارے بدن پر کیسے آگئے؟ کیا تمہارے سامنے کسی نے کسی کو قتل کیا ہے؟"

پہلے اس نے انکار میں سرہلایا۔ پھر اقرار میں سرہلانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے ایسی دہشت نمایاں تھی جیسے کوئی ہرنی نیزوں اور بھالوں کی زد میں آگئی ہو۔

اجنبی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کسی کے قتل ہوجانے سے وہ اس قدر دہشت زدہ کیوں ہے؟ ایک ہلکا سا خیال پیدا ہوا کہ کہیں لڑکی نے تو قتل نہیں کیا ہے؟ لیکن اس نے فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا یہ احمقانہ سوچ تھی کہ وہ نازک سی لڑکی کسی کو قتل کرسکتی ہے۔ وہ تو ایسے سہمی ہوئی تھی اور اس سے چپکی ہوئی تھی جیسے خود کسی قاتل سے پیچھا چھڑا کر اس کی پناہ میں آگئی ہو۔

وہ صحیح صورتِ حال سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے لڑکی کی سہمی ہوئی ادائیں بھی دل کو بھا رہی تھیں۔ اس نے صرف اسی حد تک سوچا کہ وہ خوفزدہ ہے اور جب تک خوفزدہ رہے گی اس کی آغوش میں ہی رہے گی اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔

اس نے تھرتھراتے ہوئے نازک بدن کو دونوں بازوؤں میں اٹھالیا۔ اس کے بازوؤں میں بلند ہوتے ہی لڑکی نے اپنی لرزتی ہوئی بانہیں اس کی گردن میں حمائل کردیں اور اس سے چپک کر خود کو یقین دلانے لگی کہ وہ ایک محفوظ مقام تک پہنچ گئی ہے۔ اجنبی اسے اٹھائے ہوئے پلنگ کے پاس آیا اور بستر کے سرے پر بیٹھ گیا۔ لڑکی اس کی گود میں سمٹ کر کچھ بولنے کی کوشش کرنے لگی۔

"وہ..... وہ....." وہ پھر ننھی سی بچی کی طرح خوف سے لرزنے لگی۔

پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھور رہا ہے۔
ہے' مجھے بچاؤ..... مجھے

یں دیکھا۔ کسی نے تمہارا پیچھا
یں ڈرنے کی ضرورت نہیں
ظ ہو....."
رہی تھی کہ کوئی اسے پکڑنے
رک لئے اس کے سامنے چلا
س ظالم تصور سے اس کا پیچھا
ن کے دھبے نظر آئے۔ لڑکی
نیار نہیں تھی۔
گے' وہ اسی طرح تمہاری
اور غسل کرلو۔ تمہاری تمام

آجائے گا۔"
نے پھر اسے بازوؤں میں
کے باوجود اسے اٹھا کر چلتے
گل ہو رہی تھیں۔ وہ عجیب
سے چوم سکتا تھا۔ مگر اپنے
یا میں نہیں تھی۔ اپنے دل و
نظوں میں وہ مرچکی تھی اور

کردیا۔ پھر بھی وہ الگ نہ

ب تک میں زندہ ہوں' تم پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دوں گا' چلو'
ھولو۔ آملیٹ تیار ہوگیا ہے' ہم ناشتہ کریں گے۔ ایک بار میں
یا تھا تو تم نے مہمان نوازی کی تھی۔ آج میں میزبانی کے فرائض
کے تماشے بھی عجیب ہیں۔ میرے فولادی ہاتھوں سے کوئی نہیں
ھوں سے ایک شیطان جہنم رسید ہوگیا۔ بھئی کمال ہے۔ ہماری
عورت کو قاتل کہا جاتا ہے اور بے شرم عورت کو اپنے جسم کی
بورس کا خطاب دیا جاتا ہے۔ یہ سالی جو دنیا ہے ناں! یہ ساری
تاش کے پتوں کی طرح لباس کو الٹ پلٹ کرتی ہے اور ملکۂ

ہے' میں یہ چادر لپیٹ کر کیسے اٹھوں؟ تم ناشتہ کرکے جاؤ۔ میں
وں گی۔"
یٹھ گیا۔ وہ چادر میں سمٹ کر پیچھے کھسکنے لگی۔ اس نے ساری کی
ش میں سمیٹ کر پوچھا۔ "مجھ سے کیوں شرماتی ہو؟ کیا اب بھی
دیوار ہوگی؟"
ں پر حیا کی لالی چھٹک گئی۔ وہ چٹان جیسے پھیلے ہوئے سینے پر سر
ں وقت پر اچھی لگتی ہیں۔ اگر بے وقت ہوں تو اسے بے شرمی
ہ لو۔ تم ناشتہ کرکے جاؤ پھر میں یہاں سے اٹھوں گی۔"
را کرتہ پاجامہ پہن لو۔ وہ لباس تمہارے لئے بے ڈھنگا ہوگا مگر
"
جنبی نے وہاں سے اٹھ کر اپنی اٹیچی سے ایک کرتہ پاجامہ نکالا

لئے باہر جاتا ہوں تم اسے پہن لو۔"
صرف پانچ سیکنڈ کے لئے اور واپس آجاؤ۔"

تمہارا انتظار کرنے کھڑی ہو جاؤں گی....."

ایک کہہ رہی تھی۔ دوسرا سن رہا تھا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے ونڈ اسکرین پر آنے والے اچھے دنوں کی تصویریں ابھر رہی تھیں۔ وہ اتنے اچھے دن تھے کہ نہ دن کو بے چینی تھی نہ رات کو بے خوابی۔ وہاں جھوٹ' فریب اور مکاری نہیں تھی۔ وہاں قانون کسی لڑکی کو عزت بچانے کے جرم میں پھانسی کے تختے تک نہیں لے جاتا تھا وہ جرائم سے پاک ایسی خوبصورت دنیا تھی جس کا خواب ہر محبت کرنے والی آنکھ دیکھتی تھی۔

خواب کبھی بیچ ہی میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ کبھی ناکامی سے دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ اچانک ہی ٹائر برسٹ ہو گیا۔ ایک دھماکا سا ہوا گاڑی اِدھر سے اُدھر ہوئی اور اُدھر جا کر ایک درخت سے ٹکرا گئی ونڈ اسکرین کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ کر بکھر گیا۔ لڑکی کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ پھر وہ یکلخت خاموش ہو گئی۔ چند لمحوں تک اجنبی کی سمجھ میں بھی نہیں آیا کہ وہ کیسے حادثے سے دوچار ہو گئے ہیں پھر حادثہ کو سمجھتے ہی سب سے پہلے لڑکی کی فکر ہوئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے ٹٹولا اور اسے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے آوازیں دیں۔ مگر وہ ایک خواب کی طرح ٹوٹی ہوئی تھی اور ایک لاش کی طرح خاموش تھی۔

اجنبی کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ اسے اپنا ہوش نہ رہا کہ اسے کتنی چوٹیں آئی ہیں۔ اس نے دروازہ کھول کر لڑکی کو آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے باہر نکالا۔ اسے گود میں لے کر وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے اس نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ دل بہت آہستہ آہستہ دھڑک رہا تھا۔ پھر اس کے چہرے کو چھو کر دیکھا چہرہ لہو میں ڈوبا ہوا تھا۔ رخسار' پیشانی' ناک' منہ اور گردن' جہاں جہاں اس کا ہاتھ گیا۔ خون ہی خون محسوس ہوا۔ محسوس اس لئے ہوا کہ وہ اندھیرے میں واضح طور سے نہیں دیکھ سکتا تھا مگر دل کی گہرائیوں سے اس کرب واذیت کو سمجھ رہا تھا جس سے وہ گزر رہی تھی۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔" اس نے

ہے.....مگر عورت چہرے کے بغیر کبھی خوش نہیں رہتی۔

اس دنیا کا ہر فرد تاش کا ایک پتہ ہے۔ وہ بھی ایک ایسا پتہ ہے جس کے حسن کا کونہ مڑگیا ہے۔ اس کا محبوب لاکھ اسے آغوش میں لے کر چومتا رہے مگر وہ تقدیر کی نوسربازی پر کڑھتی رہے گی۔

☆======ختم شد======☆